فہرست

لمعات: اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات	ادارہ	3
دعا	صابر صدیقی، پشاور	6
اپنی ناکامیوں کا الزام خدا کو نہ دیں	عبیدالرحمٰن ارائیں، کویت	11
آل ورلڈ مسلم کانفرنس۔۔۔حج	ادارہ	14
قرآن کریم کی رو سے فرقہ بندی منع ہے	خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی، کراچی	19
سلسبیل	محمد اشرف ظفر، لاہور	24
حضرت انسان قرآن کے آئینے میں	آصف جلیل، کراچی	29
وسیلہ	غلام باری، مانچسٹر	34
مطالب القرآن فی دروس الفرقان (۲۹واں پارہ)	غلام احمد پرویزؒ	40
کھاتہ داران/خریدار حضرات خصوصی توجہ فرمائیں	ادارہ	58
نظم	محمد صدیق بن اللہ دتہ	61

ENGLISH SECTION

Mosques... ... Why Bother?
By Asela Ali (London) 1

احادیث نبوی ﷺ

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے قرآن کے علاوہ کوئی بات نہ لکھو اور جس نے قرآن کے علاوہ کچھ اور لکھ لیا ہو وہ اسے مٹا دے۔ (مسلم)

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس بستی میں کسی شخص نے اس حال میں صبح کی کہ وہ رات بھر بھوکا رہا۔ اس بستی سے اللہ کی حفاظت کا ذمہ اٹھ گیا۔ (مسند امام احمد) اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی رزق پہنچانے کی ذمہ داری معاشرہ پر عائد ہوتی ہے اور جو معاشرہ اس فریضہ کو سرانجام نہیں دیتا وہ خدا کی حفاظت میں نہیں رہتا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات

قرآنی معاشرہ کے بغیر نہ کوئی مملکت اسلامی کہلاسکتی ہے نہ شریعتِ حقہ کی پابندی ہوسکتی ہے۔ اس معاشرہ کے قیام کے لئے آپ کو اپنا سیاسی اور معاشی نظام بدلنا ہوگا۔ زندگی کی اقدار بدلنی ہوں گی۔ نگاہوں کا زاویہ بدلنا ہوگا۔ نصب العینِ حیات بدلنا ہوگا۔۔۔ مختصر الفاظ میں یوں کہئے کہ آپ کو اپنے مروجہ مذہب کی جگہ' جو دورِ عباسی کی ملوکیت' سرمایہ داری' اور عجمی تصورات کا پیدا کردہ ہے اور جس سے زندگی تعطل و جمود کی برفانی سلوں کے نیچے دب کر بے حس و حرکت ہو چکی ہے۔۔۔ وہ دین لانا ہوگا جسے خدا نے اپنی کتاب قرآنِ کریم میں نازل کیا اور اسے محمد ﷺ رسول اللہ والذین معہٗ نے عملاً متشکل کر کے دکھایا تھا۔۔۔ اور یہ تبدیلی' بلکہ انقلاب لایا نہیں جاسکتا جب تک آپ نصابِ تعلیم نہ بدلیں اور ملک کے قوانین کو قرآنی حدود کے مطابق وضع نہ کریں۔ اس وقت تو اسلامی اور غیر اسلامی کی تمیز کا معیار یہ ہے کہ جو کچھ ہمارا قدامت پرست طبقہ کہے اور کرے وہ اسلامی اور جو کچھ اس کے خلاف ہو وہ غیر اسلامی۔ ان کی اچکن اور پاجامہ کرتا اور عمامہ اسلامی اور کوٹ پتلون غیر اسلامی۔ یہ اور ان کے بیوی بچے چوڑی دار پاجامہ پہنیں' تو عین مطابق شریعت' اور اگر کالج کے لڑکے اور لڑکیاں پتلون یا چھوٹی مہری کی شلوار پہن لیں تو قابل گردن زدنی۔ یہ اگر دن بھر میں پان میں اتنا تمباکو کھا جائیں جو کئی آدمیوں کو مدہوش کرنے کے لئے کافی ہو تو بالکل جائز لیکن دوسروں کے سگریٹ اور پائپ فسق و فجور کی علامت۔ یہ کوٹھیوں میں رہیں اور کاروں میں سفر کریں تو خدمتِ دین اور تعلیم یافتہ طبقہ کی کوٹھیاں اور موٹریں عیاشی کی دلیل۔ المختصر

میں جو چُپ بیٹھوں سڑی کہلاؤں
شیخ چُپ بیٹھے' تو کُل ٹھہرے

اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنے حالیہ اجلاس میں جو سفارشات پیش کی ہیں ان پر علماء اور ان کی تنظیموں کا منفی ردعمل حسب توقع سامنے آچکا ہے اور انہوں نے کونسل کی اکثر و بیشتر سفارشات کو شریعت کے منافی اور صدیوں کے اجماعِ امت کو نظر انداز کرنے کی کوشش قرار دیا ہے اور ان سفارشات کو یکسر مسترد کر دیا ہے۔ جب 1964ء میں صدر ایوب نے

عائلی قوانین کا ایک نیا مسودہ پیش کیا تھا تو علماء کا ردعمل ویسا ہی تھا جیسا آج ہے لیکن یہ عائلی قوانین علماء کے تمام تر فتوؤں کے باوجود کوئی حکمران تبدیل نہیں کر سکا۔ اس وقت بھی صدر ایوب کے اقدامات کو شریعت کے منافی قرار دیا گیا تھا اور بڑے عرصے تک ڈاکٹر اسرار احمد سمیت بہت سے علمائے کرام ان عائلی قوانین کو منسوخ کرنے کی وکالت کرتے رہے تھے لیکن اب ایک عرصے سے اس محاذ پر خاموشی ہے۔ پاکستان کی موجودہ اسلامی نظریاتی کونسل نے جو سفارشات پیش کی ہیں وہ درجِ ذیل ہیں:

1- شوہر کو طلاق کا تحریری مطالبہ کرنے والی بیوی کو 90 روز کے اندر طلاق دینے کا قانونی پابند بنایا جائے۔ ایسا نہ کرنے کی صورت میں معینہ مدت کے بعد نکاح فسخ قرار پائے گا۔ کونسل نے نکاح نامے کی طرح طلاق نامہ بھی تجویز کیا ہے اور حکومت سے کہا ہے کہ نکاح کی طرح طلاق کی رجسٹریشن بھی کی جائے اور بیوی پابند ہوگی کہ مہر اور نان نفقہ کے علاوہ اگر کوئی اموال یا املاک شوہر نے اسے دے رکھی ہیں اور اس موقع پر وہ انہیں واپس لینا چاہتا ہے تو عورت یا تو اس مال کو واپس کر دے اور دوسری صُورت میں تنازعے کے فیصلے کے لئے عدالت سے رجوع کرے۔

2- کونسل نے یہ بھی تجویز کیا ہے کہ خاوند شادی کے وقت اپنی پہلی شادی کی صورت میں اپنے تمام اثاثہ جات کی تفصیل لکھ کر دے اور اگر وہ دوسری شادی کر رہا ہے تو اپنی پہلی بیوی اور بچوں کے بارے میں بھی مکمل تفصیلات نکاح نامے میں درج کرے۔

3- کونسل نے یہ سفارش بھی کی ہے کہ جب خاوند پہلی مرتبہ اپنی بیوی کو طلاق دے تو اس کو ریکارڈ کر لیا جائے اور پھر جب وہ دوسری اور تیسری دفعہ طلاق دے تو اس پر شادی ختم ہو جائے گی اور طلاق واقع ہو جائے گی۔

4- کونسل نے یہ بھی تجویز کیا ہے کہ موجودہ نکاح نامے میں ایک دفعہ کا اضافہ کیا جائے جس کے مطابق خاوند واضح طور پر اپنی بیوی کو طلاق کا حق دینے کا اعلان کرے اور موجودہ مبہم صورتحال کو واضح کر دیا جائے۔

5- جس ملک میں عورتیں پڑھنے کے لئے سمندر پار یونیورسٹیوں میں اکیلی جا رہی ہیں وہاں سفرِ حج کے لئے محرم کی پابندی کوئی معنی نہیں رکھتی۔

6- کونسل یہ قانون بھی پاس کرانا چاہتی ہے کہ صاحب حیثیت لوگوں کو اپنے غریب اعزہ کی کفالت کرنے کا قانوناً پابند بنایا جائے۔

7- رُویتِ ہلال کے حوالہ سے بھی کونسل کی سفارشات توجہ کے لائق ہیں جس سے عالمِ اسلام میں تین تین عیدوں کی بجائے ایک عید کا دن ہو اور عالمِ اسلام افتراق وانتشار کا شکار ہو کر جگ ہسائی سے بچ سکے۔

ہمارے نزدیک اسلامی نظریاتی کونسل کی تمام سفارشات اسلام کی روح کے منافی نہیں ہیں۔ ہم کونسل کے فاضل اراکین سے یہ درخواست کریں گے کہ وہ اپنی سفارشات کو قرآنِ کریم کے قریب تر لانے کی کوشش کریں۔ اس ضمن میں قرآنی احکام بڑے واضح اور متعین ہیں۔ ہماری گزارش ہے طلاق سے متعلق معاملات کے سلسلہ میں درجِ ذیل آیاتِ قرآنی کو ضرور مدِنظر رکھا جائے:-

4/130, 4/128, 4/34-35, 4/19-20,
2/236-37, 2/228-32

ہماری علمائے کرام سے دست بستہ گزارش ہے کہ وہ وقت کے تقاضوں کو سمجھیں۔ دنیا بڑی تیزی سے بدل رہی ہے۔ فتویٰ دینے کی بجائے نئی تجاویز پر غیر جذباتی انداز سے بالاستیعاب غور فرمائیں' مسئلے کی ''لِم'' کو سمجھ لیا جائے تو ''جزئی قوانین'' کو زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدلنے میں کوئی قباحت نہیں ہوتی۔

تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے بنگلہ دیش میں ڈھاکہ کی ایک عدالت نے فیصلہ دیا کہ مسلمان عدالتوں کی موجودگی میں علماء کو پرائیویٹ فتوے دینے کا اختیار نہیں ہے۔ اس پر بہت شور مچا لیکن عدالت کی بات قائم رہی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس طرح کے فیصلے کی اہلِ پاکستان کو بھی ضرورت ہے۔ اگر ''افتاء'' سے متعلق پاکستان میں بھی کوئی قانون اور ضابطہ بن جائے تو بہت سے مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اسلامی نظریاتی کونسل کو فتوؤں سے متعلق بھی سفارشات مرتب کرنی چاہئیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صابر صدیقی، پشاور

دُعا

حیرت کی بات ہے کہ علامہ اقبال علیہ الرحمہ ہمیں تو یہ نصیحت کرتے رہے کہ ''تری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی'' اور وہ خود ساری عمر دعائیں کرتے رہے۔ مثلاً ''لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری'' یا بانگ درا میں ان کی نظم ''التجائے مسافر'' اور حیرت کی بات یہ بھی ہے کہ ان کی دعائیں مقبول بھی ہوتی رہیں۔ ان دعاؤں میں ایک دعا ایسی ہے جس نے ہندوستان کا نقشہ بدل دیا۔ یہ دعا مثنوی اسرار خودی کے آخر میں ہے جس نے قضا کا منہ موڑ دیا۔ طوالت سے بچنے کے لئے اس دعا کے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔ دعا کے شروع میں علامہ اپنے انداز میں خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں اور پھر اپنی قوم کی زبوں حالی کا ذکر کر کے حرف مطلب زباں پر لاتے ہوئے خدا تعالیٰ سے راہنمائی چاہتے ہیں۔

چشم بے خواب و دل بیتاب دہ
باز مارا فطرت سیماب دہ
کوہ آتش خیز کن ایں کاہ را
زآتش ماسوز غیر اللہ را

علامہ اپنی قوم کی حالت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے خدا میری قوم کی آنکھیں کھول دے یہ سوئی ہوئی ہے اسے بیدار کر کے اس کے دل میں آرزو سے پیدا ہونے والی بیتابی عطا کر۔ اس خار و خس کے ڈھیر کو کوہ آتش فشاں میں تبدیل کر دے تاکہ یہ غیر خدائی طاقتوں کو جلا کر بھسم کر دے۔ اس کے بعد علامہ اپنے متعلق کہتے ہیں کہ:

دل بدوش و دیدہ بر فرداستم
درمیانِ انجمن تنہا ستم
ہر کسے از ظنِ خود شد یار من
از درون من نجست اسرار من
در جہاں یارب ندیم من کجاست
نخل سینایم کلیم من کجاست
شمع را تنہا تپیدن سہل نیست
آہ یک پروانہء من اہل نیست

علامہ فرماتے ہیں کہ میرا دل امت مسلمہ کی ماضی کی کامیابیوں اور سرفرازیوں کو معلوم کر کے خوش ہو جاتا ہے اور موجودہ زمانہ میں امت مسلمہ پر چھائی ہوئی نکبت و ادبار

کی گھٹاؤں کو دیکھ کر مایوسی کے عالم میں سوچتا ہوں کہ کیا کبھی مستقبل میں امت مسلمہ کی شان وشوکت لوٹ بھی آئے گی یا نہیں۔ جس کے لئے میں کوشش کر رہا ہوں۔ ویسے تو ہر کوئی اپنے خیال کے مطابق میرا جاننے والا بن بیٹھا ہے لیکن جو بات مَیں کہنی چاہتا ہوں وہ کوئی سننے کے لئے تیار نہیں اور جو سنتا ہے وہ سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔ اس حالت میں اے میرے اللہ مجھے بتا کہ میرا ندیم میرا دوست' میرا جاننے والا کہاں ہے۔ اسے کہاں ڈھونڈوں۔ میری مثال وادی سینا میں اس جھاڑی کی سی ہے جس پر تیرا نور برسا تھا۔ مگر میرا کلیم مجھ سے دل کی باتیں کرنے والا میرے پاس کھڑے ہو کر ارنی کہنے والا کوئی نہیں۔

اے میرے خدا تو جانتا ہے کہ شمع بھی اکیلی نہیں جل سکتی اسے بھی پروانوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ شمع اور پروانوں کا ہمیشہ ساتھ ہوتا ہے لیکن میں بھی شمع کی طرح سلگ رہا ہوں لیکن افسوس کہ میرے سوزِ دروں پر ایک پروانہ بھی نہیں آیا اے اللہ تیری قدرت سے ماہ وانجم روشن ہیں اور میرے اندر روشنی کی گرمی بھی تیری ہی دی ہوئی ہے۔ اگر تو مجھے کوئی ندیم نہیں دیتا تو اس آگ کو میرے سینے سے واپس لے لے۔ یہ تیری امانت ہے تو اسے واپس لے لے تاکہ میرے دل کے آئینہ کا جوہر اور علمی روشنی جو مجھے کانٹے کی طرح چبھ کر پریشان کر رہی ہے اس سے نجات پاؤں۔ اور اگر تو یہ نہیں کرتا تو پھر مجھے ایک ہمدم عطا کر دے تاکہ کفر کی دنیا کو جلا دینے والی جو روشنی میرے اندر ہے وہ اس کے دل کے آئینہ پر بھی منعکس ہو جائے۔

اپنی حالت بیان کرنے کے بعد علامہ استدلال پر اتر آتے ہیں۔

موج در بحر است ہم پہلوئے موج
ہست باہمدم تپیدن خوئے موج
بر فلک کوکب ندیمِ کوکب است
ماہ تاباں سر بزانوئے شب است

اے خدا دیکھ کہ ندیم کی' دوست کی ضرورت اس قدر مسلم ہے کہ سمندر میں موج بھی اکیلی نہیں تڑپ سکتی۔ اسے بھی دوسری موج کی ضرورت ہوتی ہے۔ آسماں پر دیکھ ستارے ایک دوسرے کے دوست اور ساتھی ہیں۔ چاند کو دیکھ کہ اس نے اپنی نمود کے لئے رات کو اپنا دوست بنا لیا ہے لیکن اور تو اور

گرچہ تو در ذات خود یکتا ستی
عالمے از بہر خویش آراستی

تو خود یکتا ہے اور تجھے کسی ندیم کی ضرورت نہیں لیکن تو نے بھی کائنات کی صورت میں اپنا ندیم پیدا کر لیا ہے۔ لیکن میں بھری محفل میں تنہا ہوں۔

من مثالِ لالۂ صحرا ستم
درمیانِ محفلے تنہا ستم
خواہم از لطف تو یارے ہمدمے
از رموز فطرتِ من محرمے

همدمے دیوانۂ فرزانۂ
از خیالِ این وآں بیگانۂ

لیکن میری حالت یہ ہے کہ میں لق و دق صحرا میں اگے ہوئے گل لالہ کی طرح تنہا ہوں۔ میری التجا ہے کہ مجھے بھی ایک ایسا ساتھی دے جو میری ہی طرح دیوانہ ہو اور اس کی دیوانگی پر ہزار فرزانگیاں قربان کی جاسکیں جو میری فطرت کے رموز سے' میرے خیالات سے واقف ہو اور جب وہ کوئی فیصلہ کرے تو نتائج کی پروا نہ کرے اور مشہور شاعر عرفی سے ہم خیال ہو کر کہہ سکے۔

اے متاع درد در بازار جاں انداختہ
گوہر ہرسُود در جیبِ زیاں انداختہ

علامہ اللہ تعالیٰ سے کہتے ہیں کہ اگر مجھے ایسا ہمدم مل جائے تو میں صرف یہ کروں گا۔

تا بجان او سپارم ہوئے خویش
باز بینم در دِل او روئے خویش
سازم از مشتِ گِل خود پیکرش
ہم صنم اورا شوم ہم آزرش

اگر مجھے ایسا ہمدم' ایسا دوست ایسا ساتھی مل جائے تو میرے دل میں عشق نے جو طوفان برپا کر رکھا ہے وہ میں اس کے سپرد کر دوں تا کہ وہ میرے خیالات کو عملی جامہ پہنا سکے۔ اور اس کے پیدا کئے ہوئے نتائج کو دیکھ کر میں مطمئن ہو جاؤں کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔ یہ ایسا دوست ہو کہ میں کہہ سکوں کہ اس بات کو بنانے میں میں نے اپنے جسم کی مٹی استعمال کی ہے اور پھر اس کا خالق ہونے کے باوجود اسکا پجاری بن جاؤں۔

☆☆☆

علامہ اقبالؒ کی یہ دعا کیا تھی ایک دردمند دل کی پکار تھی جو عرش معلیٰ سے جا ٹکرائی۔ جواب آیا کہ تمہارا گوہر مقصود تمہیں لندن کی عدالتوں میں گھومتا ہوا ملے گا۔ علامہ نے گوہر مقصود پا لیا اور ملاقاتیں اور خط و کتابت ہوتی رہی۔ ہیکٹر بولیتھو کا خیال ہے کہ علامہ نے اپنے صنم کو گھڑنے میں دس سال کا عرصہ صرف کیا یہ مدت دس سال ہو یا کم و بیش اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ علامہ کی دعا مقبول ہو چکی تھی۔ کام مکمل ہو چکا تھا۔

کہتے ہیں کہ مائیکل اینجلو ایک مدت سے حضرت موسیٰؑ کی تلاش میں تھا جو ایک پتھر کے اندر چھپے بیٹھے تھے۔ مائیکل اینجلو مدتوں فالتو پتھر ہٹا کر حضرت موسیٰؑ کا مجسمہ تلاش کرتا رہا۔ آخر امید بر آئی اور مجسمہ تیار ہو گیا۔ یہ مجسمہ زندگی کے اس قدر قریب تھا کہ خود سنگ تراش دھوکا کھا گیا اور کیف و مستی کے عالم میں مائیکل اینجلو نے اپنا ہتھوڑا مجسمہ کے گھٹنے پر زور سے مارتے ہوئے کہا:

بولو موسیٰ بولو۔ (Speak Muses Speak)

مجسمہ تو نہ بولا البتہ مجسمہ کا گھٹنا زخمی ہو گیا۔

لیکن جس چٹان پر علامہ اقبال کام کر رہے تھے وہ مالا بار ہلز

کی ایک نیشنلسٹ معڑی چٹان تھی جس پر علامہؒ نے اپنی پوری جان لگا دی۔ مجسمہ مکمل ہوتے ہی بول اٹھا:

''اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ اس میں اطاعت اور وفا کیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا واحد ذریعہ قرآن کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے' نہ کسی پارلیمان کی' نہ کسی شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست یا معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود مقرر کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول واحکام کی حکمرانی ہے۔''

اس کے بعد ہم نے دیکھا کہ علامہ نے اپنے بنائے ہوئے صنم کی اس طرح پوجا کی کہ مولانا صلاح الدین کے کہنے کے مطابق:

''اقبال کے آخری دو سال میں مذکور ہے کہ ایک دن آنجہانی پنڈت جواہر لال اور میاں افتخار الدین مرحوم علامہ کی عیادت کے لئے آئے۔ دوران گفتگو میں پنڈت جی یا میاں افتخار الدین نے علامہ صاحب سے کہا کہ آپ مسلمانوں میں مسٹر جناح کی نسبت زیادہ مقبول ہیں۔ آپ مسلم لیگ کی قیادت اپنے ہاتھ میں کیوں نہیں لے لیتے۔ یہ تجویز سن کر علامہ کو غصہ آ گیا۔ کہا کہ آپ مجھے ورغلانے آئے ہیں۔ خدا کی قسم میں تو مسٹر جناح کے ایک معمولی سپاہی کی طرح کام کرنے پر تیار ہوں اور مسٹر جناح نے علامہ کی وفات پر انہیں اپنا راہنما کہہ کر انہیں اپنا آزر مانا۔ یہ تھا اقبالؒ کا شاہینِ کافوری' اقبال کا شہکار جسے مولانا ظفر علی نے جناح (شہپر) کہا جسے قوم نے قائداعظم کا خطاب دیا اور جسے مشہور صحافی بیورے نکلس نے کہا ''یہ تو ایک جائنٹ ہے جس کے سینے پر لٹکتے ہوئے مناکل کے ساتھ ایشیا کی تقدیر لٹک رہی ہے۔''

☆☆☆

حضرت علامہ اقبالؒ کی دعا بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوئی۔ انہیں ایک ایسا ہمدم ایسا ندیم مل گیا جس کی وہ تمنا کرتے تھے۔ ان کے تصور کے مطابق امت مسلمہ کو ایک ملک عظیم بھی مل گیا۔ علامہ اس ملک کے نظم ونسق کو چلانے کے لئے ایک دستور دیتے ہوئے تنبیہہ کر گئے کہ:

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

کاش کے علامہ یہ بھی وضاحت کر جاتے کہ قرآنِ مجید کے مطابق زندگی بسر کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ ختم قرآن کی محفلیں سجائی جائیں یا شبینے منعقد کئے جائیں یا قرآن کی جھوٹی قسمیں کھا کر جھوٹی کامیابی کے دروازے پر دستک

دی جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ قرآن کے اصول واحکام ہی کو زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا لیا جائے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ علامہ یہ دعا بھی کر جاتے کہ اے اللہ میاں اگر کبھی میری تمنا کے مطابق مسلمانوں کو ان کا اپنا ملک مل جائے تو اس کی باگ ڈور ایسے لوگوں کے ہاتھ میں دینا جو قرآنی تعلیمات کو سمجھیں بھی اور ان پر عمل کرنے کا ارادہ بھی رکھتے ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ لومڑ اور لومڑیاں اس ملک پر قابض ہو جائیں۔

کز دام و دَد ملولم و انسانم آرزوست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبیدالرحمٰن ارائیں، کویت

اپنی ناکامیوں کا الزام خدا کو نہ دیں

(اصل مضمون انگریزی زبان میں لکھا گیا اور ''عرب ٹائمز'' میں شائع ہوا۔ قارئینِ طلوع اسلام کے لئے اس کا اردو میں ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔ادارہ)

تقدیر، قسمت اور مقدر ایسے الفاظ ہیں جو مستقبل میں ہونے والے کسی بھی واقعہ یا واقعات کے لئے استعمال ہوتے ہیں کہ جو پہلے سے طے شدہ ہوں۔ جب کوئی واقعہ ہماری خواہشات کے برعکس وقوع پذیر ہوتا ہے ہم اسے اپنی بدقسمتی سمجھ کر ہر قسم کی ذمہ داری سے آزاد ہو جاتے ہیں۔

اس سارے معاملے میں انسان کا اپنا عمل کہاں دکھائی دیتا ہے؟ اس ضمن میں عقیدہ یہ ہے کہ خدا نے ازل سے ابد ہونے والے تمام حالات و واقعات کے نتائج پہلے سے لکھ رکھے ہیں اور انہی کے مطابق کامیابیاں اور ناکامیاں انسانوں کا مقدر بنتی ہیں۔ اور پھر کون ہے جو پہلے سے لکھی ہوئی تقدیر پر کوئی سوال یا انگلی اٹھا سکے۔ اگر کوئی دوسروں کے ساتھ ہونے والی ناانصافی کے خلاف آواز بھی اٹھائے تو اسے خدائی فیصلوں کو للکارنے کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔

میں ہر سال ماہ رمضان میں زندگی کے عملی مسائل اور ان کے حل کے حوالہ سے سنجیدگی سے غور کرتا ہوں۔ اس سال بھی میں نے اس ضمن میں بار بار سوچا کہ اللہ تعالیٰ مختلف لوگوں کے ساتھ امتیاز کیوں برتتا ہے؟ کسی کو نعمتوں اور رحمتوں سے نواز دیتا ہے تو کسی کا ہر کام بگڑتا ہی چلا جاتا ہے۔ کیا ہم سب اس کے بندے نہیں ہیں؟ کیا اس نے ہمیں یہ نہیں بتایا کہ ہم سب اسی ایک خدائے واحد کے بندے ہیں؟ اَللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوم (3:2) کیا کہیں دوسرے خدا بھی ہیں؟

ایسا کیوں ہے کہ جب بھارت کے علاقے بہار میں شدید بارشیں ہوتی ہیں تو پورے گاؤں کے گاؤں ہی صفحہ ہستی سے مٹ جاتے ہیں جبکہ یہی تقدیر ان ترقی یافتہ ممالک کے لئے خوشحالی اور ترقی کا پیغام لے کر آتی ہے۔ جہاں پر سیلاب کے زائد پانیوں کو ڈیموں اور بیراجوں کی صورت میں کنٹرول کر لیا گیا ہے۔ صرف تین سال قبل ہی طوفان کترینہ نے ایک ہزار سات سو لوگوں کی جان لے لی

اور اس سال گسٹاؤ اور آرٹک (طوفانوں کے نام) اس نقصان کے مقابلے میں دس فیصد نقصان بھی نہیں کر سکے۔ پھر ایسا کیا ہے کہ جس نے خدا کی بنائی ہوئی تقدیر کو بدل دیا؟ ہوا صرف یہ ہے کہ انسان نے گذشتہ نقصان سے جو سبق سیکھا اس سے اُس نے قدرتی آفات سے بچنے کیلئے قوانینِ فطرت کے مطابق مزید بڑے اور مضبوط ڈیم بنا کر خود کو اِن آفات سے بچالیا۔

یہی معاملہ زلزلوں سے متعلق ہے۔ وہ ممالک جو تعمیراتی اصول و قوانین کے مطابق عمارتیں تعمیر کرتے ہیں وہاں زلزلوں کی وجہ سے بہت کم جانی نقصان ہوتا ہے جس کی سب سے بڑی مثال جاپان ہے جہاں بے تحاشہ زلزلے آنے کے باوجود جانی نقصان نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ جبکہ چند سال پہلے ہی کا سانحہ لے لیجئے کہ کشمیر اور پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں زلزلے کی وجہ سے گاؤں کے گاؤں ناپختہ اور غیر معیاری گھروں کی وجہ سے صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔ انہی وجوہات کی بنا پر 2003ء کے زلزلے میں ایران کا قدیم شہر بام تباہ ہوا تھا۔

اب ذرا انسان کی اوسط عمر کے معاملہ پر غور کیجئے۔ ترقی یافتہ ممالک میں لوگوں کی شرح زندگی کم ترقی یافتہ ممالک کے لوگوں سے زیادہ ہے۔ اقوامِ متحدہ کے تخمینہ کے مطابق انسانی زندگی کی عمومی شرح 67.2 سال ہے جبکہ ایک جاپانی کی زیادہ سے زیادہ شرح زندگی 82.6 سال ہے۔ انگلستان میں یہ شرح 79.4 سال ہے' امریکہ میں 78.2 سال جبکہ کویت میں 77.6 سال ہے۔ اس کے برعکس برصغیر پاک و ہند کے لوگ صرف 65 سال تک ہی جینے کی امید رکھ سکتے ہیں اور عام شرح اس سے بھی کم ہے۔ سب سے کم شرح زندگی سوازی لینڈ (افریقی ملک) کی ہے جو کہ صرف 39.6 سال ہے۔

یہ عام عقیدہ ہے کہ عمر کی معیاد خدا نے پہلے ہی سے لکھ دی ہے۔ ایک سوال جو میرے ذہن میں اُبھرتا ہے وہ یہ ہے کہ ترقی یافتہ ممالک میں تو خدا نے انسانوں کی عمر اتنی زیادہ بڑھا دی ہے مگر ترقی پذیر ممالک میں اتنی کم کیوں؟ یاد رکھیے اس کا تعلق انسان کے مذہب یا اس کی موجودہ حالت سے نہیں ہے۔ مغرب کے دہریے اور غیر مسلم مشرق کے خدا ترس مسلمانوں سے زیادہ لمبی عمر پاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک سادہ سا معاملہ ہے۔ صحت کی بہتر سہولیات' اچھی غذا اور بہتر معیارِ زندگی ان کی عمر بڑھا دیتا ہے اور یہ تمام پہلو خدا ہی کے بنائے ہوئے قوانینِ فطرت کے مطابق ہیں جو کہ لمبی عمر پانے کیلئے ضروری ہیں۔ جو کوئی بھی اِن اصولوں پر عمل پیرا ہوتا ہے وہ لمبی عمر پالیتا ہے اور جو ایسا نہیں کرتا اس کی عمر کا عرصہ کم ہو جاتا ہے۔ اب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو لمبی عمر کے حصول کیلئے اِن اصولوں پر عمل کرتا ہے وہ لمبی عمر پالیتا ہے جبکہ بصورتِ دیگر ایسا نہیں ہوتا۔

میں صرف خدائے واحد پر ایمان رکھتا ہوں۔ وہ ایک ہی ہے جو سب کا خالق اور رب ہے (1:1)۔ بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَإِذَا قَضَى أَمْراً فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُون (2:117)۔ اُس نے یہ تمام قوانین بنائے ہیں جن کے تحت ہماری تخلیق ہوئی ہے اور انہیں قوانین اور اقدار کے تحت اب یہ سلسلۂ کائنات رواں دواں ہے۔

"Big Bang" کے وقت یہ کائنات معرضِ وجود میں آئی تو خدا کے تخلیق کردہ قوانین کے تحت یہ سارا سلسلۂ تخلیق شروع ہوا اور اب تک جاری و ساری ہے۔ اُس وقت سے زندگی علت و معلول (مکافاتِ عمل) کے اس بندھن میں بندھی ہوئی ہے۔ یہ سلسلہ اُن قوانینِ فطرت کے تحت چل رہا ہے جو کہ اصل میں قوانینِ خداوندی ہی ہیں سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا وَلاَ تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلاً (17:77)۔ مَّا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ سُنَّةَ اللَّهِ فِيْ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِن قَبْلُ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَراً مَّقْدُوراً (33:38)۔ ہم اپنے اعمال پر تو اختیار رکھتے ہیں مگر ان کے نتائج یعنی ان کی آخرت ہمارے دائرۂ اختیار سے باہر ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ **اعمال کے نتائج ہی اُن کی تقدیر ہیں جو خدا کے قوانین کے تحت مرتب ہوئی ہے** اور اس کی تمام تر ذمہ داری ہم پر آتی ہے۔ لہٰذا نتائج ہی اصل میں اعمال کی تقدیر ہیں اور اعمال بذاتِ خود تقدیر نہیں۔

کسی دوسرے کو اپنی ناکامیوں کا ذمہ دار سمجھنے کی بجائے ہمیں خود ان کی وجوہات تلاش کرنا چاہیے۔ جتنی جلدی ہم ایسا کرنا شروع کر دیں گے اُتنی ہی جلدی ہمیں اِن وجوہات کا سراغ مل جائے گا اور ہم اپنی تقدیر خود بنا سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن میں یہ صاف صاف کہا ہے وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيْرٍ (42:30) کہ تمہاری تمام ناکامیاں تمہارے اپنے اعمال کی وجہ سے ہی آتی ہیں۔

یہ سلسلہ گفتگو مجھے برصغیر کے مشہور شاعر علامہ محمد اقبال کی یاد دلاتا ہے۔ اپنی ایک نظم میں وہ کہتے ہیں کہ خدا نے صرف بے جان اشیاء کی تقدیر بنائی ہے اور انسانوں سے وہ صرف اپنے قوانین کی پاسداری چاہتا ہے۔

مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند
تقدیر کے پابند نباتات و جمادات

اپنے ایک اور شعر میں اُنہوں نے کہا کہ انسان اپنی ذات کو اتنے اعلیٰ مقام تک پہنچا دے کہ خدا خود اس سے پوچھے کہ اس کی رضامندی کس بات میں ہے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

کامیابی ہمارے اپنے ہاتھ میں ہے۔ اصل میں کرنے کا کام یہ ہے کہ ہم ذمہ داری قبول کریں اور اس پر عمل کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آل ورلڈ مسلم کانفرنس۔۔۔حج

جب سے انسان نے آنکھ کھولی ہے وہ اسی تگ و تاز میں غلطاں و پیچاں رہا کہ وہ کون سی صورت پیدا کی جائے کہ اس دنیا میں انسان امن و سلامتی سے رہ سکیں۔ اسے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ان گنت تجارب کی بھٹیوں اور سنگلاخ وادیوں سے گزرنا پڑا۔ لیکن وہ مقصود حاصل نہ کر سکا۔ زمان و مکان ہر آن بدلتے رہے۔ نظریاتِ حیات میدانِ تصادم میں برسر پیکار رہے۔ Antithesis, Thesis اور Synthesis کا عمل عقلِ محض کی ابلہ فریبیوں میں عافیت کوش رہا۔ اس طرح انسان اپنے ہی ہاتھوں سراب کا شکار ہوتا رہا۔ مدت کے بعد پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر اقوام مغرب نے جمعیتہ الاقوام' (League of Nations) کی طرح ڈالی جو کردار اور عمل کے فقدان کی وجہ سے بری طرح ناکام ہوئی۔ علامہ اقبالؒ نے تو اسے کفن چوروں کی جماعت کہا تھا۔ اس کی ناکامی کی وجہ (Mr. Reeves) اپنی کتاب (Anatomy of Peace) میں لکھتا ہے کہ ''لیگ آف نیشنز'' کی ناکامی کی وجہ یہ تھی کہ وہ بین الاقوامیت کے غلط تصور پر قائم ہوئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ دنیا کی مختلف قوموں کے نمائندوں کو یک جا کر کے باہمی بحث و تمحیص سے دنیا کا امن قائم رکھا جا سکتا ہے۔ اس ناکام تجربے کے بعد ''لیگ آف نیشنز'' کی جگہ یعنی اس کا نام بدل کر (United Nations Organisation) اقوام متحدہ کی تنظیم کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس طرح سے یہ ناکام ہوئی ہے۔ اس کی مثال بھی تاریخ میں نہیں ملتی۔ وہ اس طرح کہ اس کی ایک سیکیورٹی کونسل ہے جس کے پندرہ مستقل رکن ہیں۔ ان میں سے پانچ یعنی امریکہ' برطانیہ' فرانس' روس اور چین کو حق استرداد (Veto) کا اختیار دیا ہوا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی معاملہ سیکیورٹی کونسل منظور کر دے تو ان میں سے کوئی رکن بھی اسے رد (Veto) کر سکتا ہے جس سے تمام کارروائی منسوخ ہو جاتی ہے۔ گویا ان کا یہ عمل ان کے اپنے وجود کی نفی ہے۔ ظاہر ہے جو جماعت اپنے وجود کی خود نفی کر

دے منطقی طور پر (Virtually) اس تنظیم نے پورے کے پورے ادارے کو کالعدم کرنے کے خود اسباب پیدا کر رکھے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دنیا کے مسائل حل کرنے میں بری طرح ناکام رہی ہے۔ دوسری اقوام کو تو چھوڑیئے' مسلمانوں کا کوئی مسئلہ آج تک حل نہیں ہوسکا۔ کشمیر کا مسئلہ 1948ء سے اس کے ایجنڈا پر ہے اور ابھی تک کوئی پیش رفت نہیں ہوئی۔ اسرائیل سے عرب علاقے خالی نہیں کرا سکی۔ افغانستان اور عراق آگ کے شعلوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ اس کا کوئی فیصلہ نہیں کرا سکی۔ یہ چند مسائل ہیں جن کا تعلق عالم اسلام سے ہے۔ باقی علاقوں کے مسائل کا بھی کوئی خاطر خواہ حل نہیں ہوسکا۔ کافی عرصہ ہوا لندن کے اخبار ''ڈیلی میل'' نے لکھا تھا کہ جمعیت اقوام اپنی موجودہ ہیئت میں امن عالم کے لئے سخت خطرہ کا موجب ہے اس لئے اسے فوراً ختم کر دینا چاہئے'' اور اس کی وجہ (Mr. Reeves) کے الفاظ میں یہ ہے کہ ''ہمارے سامنے جو مسئلہ ہے۔ وہ قوموں کے باہمی تعلقات کا مسئلہ نہیں بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ نیشنلزم نے انسانی معاشرہ میں جو خلجان پیدا کر رکھا ہے اسے کس طرح دور کیا جائے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ خلجان نیشنلزم یا انٹرنیشنلزم کے ذریعے دور نہیں ہو سکتا۔ جس چیز کی ضرورت ہے وہ نوع انسانی کی برادری ہے نہ کہ بین الاقوامیت۔ یعنی یہ وہی چیز ہے جسے علامہ اقبال نے کہیں پہلے ان الفاظ میں کہا تھا کہ

اس دور میں اقوام کی صحبت بھی ہوئی عام
پوشیدہ نگاہوں سے رہی وحدتِ آدم
تفریق ملل حکمتِ افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملتِ آدم
مکے نے دیا خاکِ جنیوا کو یہ پیغام
جمعیتِ اقوام کہ جمعیتِ آدم؟

یہ حشر ہوا اس نظریہ حیات کا جو وحی کی راہنمائی سے محروم تھا اور صرف عقل کے گھوڑے پر سوار تھا۔

لیکن صدیوں پہلے وحدت آدم کے لئے حضرت ابراہیمؑ نے مرکز انسانیت یعنی خانہ کعبہ کو از سرِ نو تعمیر کیا کیونکہ مرکز کے بغیر انسانوں کا ایک برادری بننا اور ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونا ناممکن ہے۔ چنانچہ جب تعمیر کعبہ مکمل ہو چکی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا واذن فی الناس بالحج (22/27) ''تمام نوع انسانی کو یہاں جمع ہونے (حج) کا اعلان کر دے'' اور اس کی غایت یہ بیان فرمائی کہ لیشھدوا منافع لھم (22/28) ''تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں کہ نظام خداوندی کس طرح عالمگیر انسانیت کی منفعت بخشیوں کا ضامن ہے۔''

نصوص قرآنی سے حج کی جو تفصیلات ظاہر ہوتی ہیں وہ اس طرح ہیں کہ تمام دنیا کے انسان بلاتفریق رنگ و نسل اور بلا امتیاز وطن و زبان' جو اس نصب العین پر ایمان

رکھتے ہوں کہ دنیا میں کسی انسان کو دوسرے انسان پر حکومت کرنے کا حق نہیں، حکومیت صرف خدا کے قانون کی جائز ہے، جو انسانی تقاضوں کا ترجمان ہے، اپنے اپنے ملکوں سے اپنے نمائندے چنیں۔ یہ نمائندے اپنے میں سے ایک منتخب کردہ امیر کی زیر قیادت، مرکز وحدت انسانیت، یعنی بیت اللہ کی طرف روانہ ہوں۔ عرفات کے میدان میں ان تمام نمائندگان کا باہمی تعارف ہو۔ پھر یہ تمام امرا اپنے میں سے ایک امیر الامرا کا انتخاب کر لیں اور مختلف ممالک کے احوال وظروف کو سامنے رکھ کر باہمی مشاورت سے ایسا پروگرام مرتب کر لیں جو آئندہ سال کے لئے اصولی طور پر بطور مشترکہ پالیسی اختیار کیا جائے۔ اس کو آج کل کی اصطلاح میں ''سالانہ ترقیاتی پروگرام'' (Annual Development Programme) کہا جاتا ہے۔ پھر ان کا منتخب کردہ امام اپنے خطبۂ حج میں اسی پروگرام کا اعلان کر دے جو دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچ جائے۔ اس کے بعد یہ تمام نمائندگان، مقام منیٰ میں جمع ہو کر اس اصولی پروگرام کی تفصیلات و جزئیات پر غور کریں اور یہ سوچیں کہ ایک دوسرے ملک پر ان کے (Pros and Cons) کا عملی اثر اور ردعمل کیا ہوگا۔ وہاں باہمی مذاکرات بھی ہوں گے، اور دعوتیں اور ضیافتیں بھی ہوں گی جس کے لئے بھیمۃ الانعام (5/11) کا ذبیحہ تجویز کیا گیا ہے جسے عرف عام میں قربانی کہتے ہیں۔

آخر میں یہ نمائندگان طواف کعبہ کے بعد اپنے اپنے ملکوں میں واپس آ جائیں گے اور اس طے شدہ پروگرام کے مطابق اپنے اپنے لوگوں اور نظم ونسق کو چلائیں گے۔ یہ ہے وہ عملی طریقہ جو قرآن حکیم نے تمام نوع انسانی کو ایک امت واحدہ بنانے اور ان کے تمدنی مسائل کا حل تجویز کرنے کے لئے بتایا ہے۔

قرآن حکیم کی رو سے اس اجتماع کی مکمل کارروائی کے لئے کم از کم تین مہینے بتائے ہیں۔ الحج اشھر معلومٰت (2/197) اس سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔

یہیں سے اقوام متحدہ نے بھی اپنے سالانہ اجلاس کے لئے کم از کم تین مہینے مقرر کر رکھے ہیں۔

لے گئے تثلیث کے فرزند میراثِ خلیل

فریضۂ حج کا تقاضا ہے کہ اپنے اپنے ممالک کو لَوٹ کر سب کچھ بھولنا نہیں بلکہ تم جہاں کہیں بھی ہو دنیا کے کسی گوشہ میں بھی ہو، زندگی کے کسی شعبہ میں مصروف تگ و تاز ہو اپنی توجہات کا رخ اسی مرکز کی طرف رکھو اور جو پروگرام وہاں سے مرتب کر کے لائے تھے۔ اس کا احترام کرنا ہوگا اور اسے پایہ تکمیل تک پہنچانا ہوگا، کیونکہ آئندہ سال اپنی Progress Report وہیں جا کر پیش کرنا ہوں گی۔ اسی لئے خانہ کعبہ کو قبلہ کہا گیا ہے جس کو ہر وقت اپنے سامنے رکھا جائے۔ اگر کسی وجہ سے تکمیل

پروگرام (A-D-P) میں کوئی کمی رہ گئی ہو تو اس کے (Bottle Necks) حج کے دوران بیان کرتا ہوں گے تاکہ ان کا تدارک کیا جا سکے۔ اسی لئے حج کا مقصود قرآن حکیم میں خاص طور پر دو مقامات پر مختصراً بیان کر دیا گیا ہے۔ ایک لیشھدوا منافع لھم 22/28 تاکہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ اس میں ان کے لئے کس قدر فائدے ہیں اور اس کی غائت قیاماً للناس 5/97 یعنی اس سے دنیا میں انسانیت قائم رہے۔

تصریحات بالا سے ظاہر ہے کہ حج سے مقصود جمعیت آدم'' کی تشکیل تھا۔ لیکن آج حج چند رسوم کا بے جان اور بے مقصد مجموعہ بن کر رہ گیا ہے۔ مسلمانوں کی لامرکزیت کی وجہ سے عالم اسلام چاروں طرف سے مصائب سے گھرا ہوا ہے۔ غیر خدائی قوتیں ان کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کئے ہوئے ہیں کہ دنیا کے نقشہ پر کہیں انکا نشان رہنے نہ پائے۔ لیکن ملت اسلامیہ تختۂ غفلت پر سوئی ہوئی خراٹے لے رہی ہے۔ مسلمان ملکوں پر جو گزر رہی ہے آسمان کی آنکھ بھی اس پر پرنم ہے۔

''تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے؟ حالانکہ کتنے ہی بے بس مرد اور عورتیں اور بچے ہیں جو (ظالموں کے ظلم وتشدد سے عاجز آ کر) فریاد کر رہے ہیں۔ خدایا ہمیں اس بستی سے جہاں کے باشندوں نے ظلم وتشدد پر کمر باندھ لی ہے نجات دلا اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا کارساز بنا دے اور اپنی طرف سے کسی کو ہماری مددگاری کے لئے کھڑا کر دے''۔ القرآن 4/75۔

پاکستان تو کجا دنیا کا کوئی ملک ایسا ہے جو خدا کے متذکرہ حکم کے تحت مسلمانوں کی مدد کو پہنچ سکے؟ یہ وہی معاشرہ یعنی مرکز ملت (Central Authority) ہو سکتا تھا جس کی خصوصیت اقبالؒ کے الفاظ میں یہ ہوتی کہ ؎

مبتلائے درد کوئی عضو ہو روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

اسلامی معاشرہ یعنی مرکز ملت کی حیثیت آنکھ جیسی ہوتی ہے۔ اگر انسانی جسم کے کسی حصہ میں تکلیف ہو تو آنکھ کو چین نہیں۔ اسی طرح اگر دنیا کے کسی حصہ میں کسی ایک مسلمان پر بھی ظلم ہو رہا ہو تو مرکز ملت حرکت میں آ جاتا ہے اور ظلم کو کیفر کردار تک پہنچاتا ہے۔ لیکن افسوس! اس وقت وہ مرکز ملت کہاں جو قرآن کے قانون اور حکم کی قوت نافذہ بنتا!

قوموں کے لئے موت ہے مرکز سے جدائی
ہو صاحبِ مرکز تو خودی کیا ہے خدائی

ہماری لامرکزیت ہمارے زوال اور انحطاط کا سبب ہے۔ اس لئے حج چند رسوم کا بے جان اور بے مقصد مجموعہ بن کر رہ گیا ہے۔ مسلمانوں کے نمائندے مختلف مقامات پر کانفرنس منعقد کرنے پر ہی اکتفاء کئے ہوئے ہیں۔ عملی طور پر کچھ نہیں

ہوسکا۔لیکن ؎

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

یہ نمی تمسک بالقرآن سے پیدا ہوگی اور پھر جب ہم نے اپنے اللہ سے' بھلایا ہوا عہد استوار کرلیا اور پھر اسی مرکز کو زندہ کر دیا' جس کی زندگی سے تمام نوع انسانی کی زندگی وابستہ ہے' اقوام عالم کی امامت ہمارے حصے میں آجائے گی۔ ہماری زندگی کے چشمے کی سوتیں عرفات کے منبر سے پھوٹیں گی اور اسی سے ہماری کشت حیات سرسبز و شاداب ہوگی۔ آج مسلمانوں کو حج کا فریضہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ ؎

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی، کراچی

قرآن کریم کی رُو سے فرقہ بندی منع ہے

قرآن کریم نے مسلمانوں کو ایک ایسی قوم قرار دیا ہے کہ جو تمام نوع انسانی کے اعمال کی نگران ہو اور ان کی مرکزی اتھارٹی اور حاکم اعلیٰ ان کا نگراں ہو چنانچہ فرمایا:

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُواْ شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً (2/143)-

اور اس طرح ہم نے تمہیں امت وسطیٰ بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر نگران بنو اور پیغمبر تم پر نگران بنے۔

قرآنِ کریم امت مسلمہ پر یہ فرض قرار دیتا ہے کہ وہ پوری دنیا میں تمام اقوام کی نگرانی کرے۔ اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ امت مسلمہ کے پاس اتنی قوت و طاقت ہو کہ وہ ہر قوم کو عدل و انصاف پر قائم رہنے پر مجبور کرے اور اس طاقت کے ذریعے ظلم و زیادتی کرنے سے روک دے۔ یہ قوت و طاقت اور یہ بلند مقام حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان خود آپس میں اتحاد و اتفاق رکھیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے مسلمانوں کو اِخْوَۃٌ قرار دیا ہے۔ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (49/10)۔ یقیناً سب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ان کا فرض ہے کہ آپس میں بھائیوں کی طرح پیش آئیں۔ اگر ان میں آپس میں دو فریقوں میں کوئی اختلاف ہو جائے تو باقی مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ان کا اختلاف دور کرا کر ان کے مابین صلح کرا دیں (49/9)۔

قرآنِ کریم مسلمانوں کے آپس کے اختلاف کو کسی صورت میں بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اور اس اختلاف کے واقع نہ ہونے کا واحد طریقہ قرآن کریم سے تمسک قرار دیتا ہے۔ وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعاً وَلاَ تَفَرَّقُواْ (3/103)۔ اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور فرقے نہ بننا۔ اس آیۂ کریمہ میں مسلمانوں کو تاکیدی حکم ہے کہ قرآن کریم سے متمسک رہنا اور فرقہ نہ بنانا۔ آیت کے الفاظ واضح اور بہت موثر ہیں۔ آیت کا پہلا حصہ موجبہ اور دوسرا سالبہ ہے۔ یعنی پہلے حصہ میں یہ امر ہے کہ قرآن کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور دوسرے حصہ میں نہی ہے کہ فرقہ نہ بننے دینا اس طرح آیت کے مفہوم کو بہت

Forcefully بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور فرقہ نہ بنانا۔ جس سے یہ بات واضح ہے کہ فرقہ بنتا ہی اسی وقت ہے جب اللہ کی رسی (قرآن) ہاتھ سے چھوٹتی ہے۔ جب تک اللہ کی رسی ہاتھ میں رہے گی فرقہ نہیں بنے گا فرقہ صرف اسی صورت میں بنتا ہے جب اللہ کی رسی (قرآنِ کریم) کو چھوڑ دیں۔ آیت سے واضح ہے کہ فرقہ بندی کی اصل وجہ اور بنیادی سبب قرآن کریم کو ترک کرنا ہے اور فرقہ پرست کا کوئی تعلق قرآن کریم سے نہیں رہتا۔

ایک دوسرے مقام پر ارشاد عالی ہے: وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعاً كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (30/32)- اور مشرکوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود فرقے بن گئے اور سب فرقے اسی میں خوش ہیں جو ان کے پاس ہے نیز ایک اور آیۂ شریفہ میں قرآن کریم میں ارشاد ہوا: إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُواْ دِينَهُمْ وَكَانُواْ شِيَعاً لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ (6/159)۔ جن لوگوں نے اپنے دین میں کئی فرقے بنا لئے اے نبی تمہارا ان سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

اس آیۂ کریمہ سے واضح ہے کہ فرقہ بندی کرنے والوں کا رسول اللہ ﷺ سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔ ان تین آیات کریمات 3/103, 30/32, 6/159 سے علیٰ الترتیب ثابت ہوتا ہے کہ فرقہ بندی کرنے والوں کا کوئی تعلق نہ قرآن سے رہتا ہے اور نہ ہی اللہ و رسول سے۔ فرقہ بندی کرنے والے اور کسی ایک فرقہ کو اختیار کرنے والے اپنے زعم میں وہ کتنا ہی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار قرار دیں لیکن قرآن کریم کی رو سے ان کا کوئی تعلق بوجہ شرک اللہ، رسول یا کتاب سے برقرار نہیں رہتا۔ قرآن کریم ان قطع علائق ہی پر بس نہیں کرتا بلکہ مزید ارشاد ہوتا ہے: وَلَا تَكُونُواْ كَالَّذِينَ تَفَرَّقُواْ وَاخْتَلَفُواْ مِن بَعْدِ مَا جَاءهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُوْلَـئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (3/105)- (ترجمہ) اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے فرقے بنا لئے اور احکام آنے کے بعد ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے عذاب عظیم ہے۔ اس آیہ کریمہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ فرقہ بندی کے خلاف واضح احکام آنے کے بعد بھی اگر فرقہ بندی کی گئی تو فرقہ بندی کرنے والوں کے لئے عذاب عظیم ہے۔ قرآن کریم نے عذاب الٰہی کی یہ مختلف شکلیں بھی خود ہی شمار کرا دی ہیں۔

(1) دنیاوی زندگی میں ذلت اور خواری اللہ کا عذاب ہے (20/134)-

(2) بھوک اور خوف اللہ کا عذاب ہے (16/112)-

(3) برکات سماوی و ارضی کے لئے دروازوں کا بند ہو

جانا عذاب ہے (7/96)۔

(4) گروہ بندی اور پارٹی بازی عذاب ہے (6/65)۔

(5) باہمی اختلاف عذاب ہے (3/104) اور عذاب کا دور ہونا رحمت ہے (11/118)۔

یہ عذاب الٰہی کی چند شکلیں ہیں اسی طرح قرآن کریم نے ان تمام مصائب ونوائب و بلیات کو جو قوم فرعون اپنی محکوم قوم بنی اسرائیل پر کرتی تھی عذاب کے لفظ سے تعبیر کیا ہے (20/47) قرآن کریم نے مندرجہ بالا آیۂ کریمہ (3/105) میں آگاہ کر دیا ہے کہ جو قوم بھی فرقہ بندی کرے گی اس کے لئے عذاب عظیم ہے اور قرآن کریم نے عذاب عظیم کی مختلف شکلیں خود بیان فرما دی ہیں جو فرقہ بند قوم پر وارد ہوتی ہیں اور عملاً ہماری قوم فرقہ بندی کی وجہ سے عذاب کی ان تمام کیفیتوں میں مبتلا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم میں اب تک اس کا احساس نہیں ہے۔

انسان کی آخری حالت موت کے وقت ہوتی ہے جس وقت ہر فرقے والے کی انتہائی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس کا پروردگار، اس کا رب کریم (رحیم) اس سے خوش و راضی ہو۔ اس عین موت کے وقت کے لئے فرمایا: وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ (3/102)۔ اور تم مرنا تو صرف مسلمان ہی مرنا۔ اس آخری حالت میں صرف خالص مسلمان ہی ہونا چاہئے، کسی بھی فرقہ کے نام سے منسوب ہونے کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔

قرآن کریم میں ہے کہ تم ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہو اور انہوں نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ حضور ﷺ نے خود کو بھی اول المسلمین فرمایا تھا۔ اس لئے ہمیں بھی قرآن کے حکم اور حضور کے اتباع میں خود کو مسلمان کہنا اور کہلوانا چاہئے اور جو لوگ اتباع سنت کا ادعا بہت جوش و خروش سے کرتے ہیں ان کے لئے تو از بسکہ لازم ہے کہ وہ صرف مسلمان کہلائیں اور کسی بھی فرقہ سے منسلک نہ ہوں۔ فرقہ بندی کے متعلق نہایت مختصر الفاظ میں قرآن کریم کا موقف اور حکم بیان کیا گیا ہے کہ قرآن کریم فرقہ بندی کی کس درجہ مذمت کرتا ہے، لیکن حیرت و تاسف کی بات یہ ہے کہ ہم مسلمانوں میں فرقہ بندی نہ صرف موجود ہے بلکہ اس کو درست تسلیم کیا جاتا ہے۔ ہر عالم، ہر مسجد، ہر جامعہ، ہر مدرسۃ العلوم کسی نہ کسی فرقہ کے ساتھ منسوب ہوتا ہے اور جس قدر بڑا عالم ہوتا ہے، اسی نسبت سے وہ اپنے فرقہ میں غالی اور متشدد ہوتا ہے اور ان تمام واضح آیات کریمات کے باوجود جو درج کی گئی ہیں، فرقہ بندی سے اعراض (بچاؤ) نہیں کرتا۔ عموماً کہا یہ جاتا ہے کہ فرقہ بندی کے خلاف تو کوئی اعتراض نہیں ہے، البتہ اعتراض اس بات پر ہے کہ فرقے آپس میں تنازعات کریں۔ اور انہیں چاہئے کہ وہ ایک دوسرے سے رواداری سے پیش آئیں۔ لیکن یہ بات قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور عملاً بھی ممکن نہیں ہے

کیونکہ فرقہ بننے کے بعد ہر فرقہ یہی سمجھتا ہے کہ وہ خود درست ہے اور دوسرا فرقہ باطل پر ہے۔ اس لئے فرقہ بندی کرنے کے بعد رواداری بالکل ممکن نہیں ہے۔ غور کرنے کی اصل بات یہ ہے کہ فرقہ بنتا کیسے ہے اور فرقہ بندی کا تدارک کیا ہے اور فرقہ کی تعریف Definition کیا ہے۔

قرآن کریم چونکہ ایک ابدی اور عالمگیر کتاب ہے۔ اس لئے جو نظام حیات وہ پیش کرتا ہے اس میں اس نے بہترین معاشرے کی تشکیل کے لئے صرف اصول بیان کئے ہیں۔ جن کی جزئیات ہر زمانے کی اسلامی حکومت اپنے اپنے دور اور ضروریات کے مطابق خود متعین کرتی ہے۔ صدر اول میں حضورﷺ کے دور میں' اور خلافت راشدہ کے دور میں اس کی جزئیات حکومت کی طرف سے متعین و مقرر ہوتی رہیں اور ان کا اجراء و نفاذ ہوتا رہا۔ انسانیت کی بدقسمتی سے وہ نظام منقرض ہو گیا اور ملوکیت کو غلبہ حاصل ہو گیا۔ اس میں دنیاوی امور بادشاہ خود طے کرنے لگے اور دینی امور دینی ماہرین یعنی علماء کرام سے مخصوص ہو گئے۔ چونکہ مختلف حضرات نے اپنی اپنی بصیرت کے مطابق قرآن کریم کی جزئیات مقرر کیں' اس لئے ان میں وقت و مقامات اور ذاتی میلانات و رجحانات کے مختلف ہونے کی وجہ سے ان جزئیات میں بھی اختلاف ہوا۔ یہ جزئی قوانین جو ان حضرات نے وضع فرمائے تھے یہ اس دور کی فقہ و شریعت تھے۔ یہ شریعت و فقہ ابدی حیثیت کے حامل نہیں تھے نہ ہی ان کے مدون کرنے والوں کا یہ خیال تھا۔ ابدیت' سرمدیت' ہمیشگی و استقلال تو صرف قوانین الٰہی کے لئے مخصوص و مختص ہیں اور ہم صرف اسی کے اتباع کے مکلّف ہیں۔ اتَّبِعُواْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلاَ تَتَّبِعُواْ مِن دُونِهِ أَوْلِيَاء (7/3)- جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو اس کے علاوہ سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔ یہ مختلف فقہیں اور شریعتیں جن کی اتباع کی وجہ سے مسلمانوں میں فرقہ بندی ہوتی ہے یہ سب بنوعباس کے دور میں مدون ہوئی تھیں اور وہ حکومتیں صرف مسلم حکومتیں تھیں ان میں بادشاہت کا موجود ہونا خود اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ملوکیت کے تابع مسلم حکومتیں تھیں۔ اسلامی حکومتیں ہرگز ہرگز نہیں تھیں۔ جس طرح آج ترکی' مراکش' مصر' وغیرہ کی حکومتیں مسلمانوں کی حکومتیں ہیں' مگر اسلامی حکومتیں نہیں ہیں۔ اسی طرح بنوعباس کی حکومت مسلم حکومت تو تھی' اسلامی حکومت نہیں تھی۔ غیر اسلامی حکومت کے وضع کردہ قوانین' اسلامی قوانین نہیں ہو سکتے اور اس دور کی حکومت کے قوانین کی پابندی اس دور کے لوگوں کے لئے ضروری تھی۔ ہم اس کی اطاعت کے پابند نہیں ہیں۔ ہر اسلامی حکومت کے جاری کردہ قوانین اس دور کی شریعت ہوتے ہیں۔ ہم غلطی سے ان سابقہ وضع کردہ قوانین کی اطاعت ضروری سمجھتے ہیں اور وہ فقہ مختلف

حضرات کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس لئے ہم میں مختلف اماموں کی طرف انتساب کرنے کی وجہ سے فرقہ بندی پیدا ہوئی ہے۔لیکن اگر ہم اب اسلامی حکومت قائم کر کے اپنی ضروریات کے مطابق قرآن کریم کی جزئیات خود مقرر کرتے ہیں اور وہ بطور قانون جاری کرنے لگیں تو فرقہ بندی ازخود ختم ہو جائے گی۔

مثلاً قرآن کریم نے روزے کے متعلق فرمایا: أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ (2/187)- روزے کو رات تک پورا کرو۔ آج کل مختلف فقہ میں رات کو مختلف وقت سے شروع کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے روزہ افطار کرنے کا ایک وقت نہیں رہا۔ اور اس بارے میں مختلف فرقوں میں اختلاف ہے۔ اس دور کی اسلامی حکومت خود رات کے شروع ہونے کا تعین کر دے کہ رات فلاں وقت سے شروع ہوتی ہے اور سب باشندے اور شہری اس مقررہ وقت پر افطار کریں' تو اس طرح یہ اختلاف رفع ہو جائے گا۔ اسی طرح قرآن کریم نے چور کی سزا قطع ید قرار دی ہے لیکن نہ تو چور کی وضاحت فرمائی کہ چور کس قدر مال چرانے سے چور بنتا ہے اور نہ ہی ہاتھ کی تعریف فرمائی کہ قطع ید کس جگہ سے ہو۔ اس لئے مختلف فرقوں میں اس بارے میں اختلاف ہے۔ اسلامی حکومت ان دونوں امور کی خود وضاحت کر دے گی۔ اسلامی حکومت کے لئے لازم ہے کہ وہ اس طرح اختلافی مسائل حل کر دے۔ ہمارے ہاں اختلاف جزئیات کے مختلف تعین کی وجہ سے ہوا ہے جس کی وجہ سے مختلف فقہ وجود میں آئے۔ صرف ان مختلف جزئیات کی وجہ سے فرقہ بندی پیدا ہوئی ہے۔ اس کا واحد حل اسلامی حکومت کا قیام ہے اور وہ حکومت خود قرآن کریم کے اصول و احکامات کی جزئیات مقرر کر دے' وہی اس دور کی فقہ ہوگی اور اس طرح فرقہ بندی ختم ہو سکتی ہے۔ خوب ذہن نشین فرما لیں کہ فرقہ بندی مذہب میں ہوتی ہے دین میں تو فرقہ بندی کا امکان ہی نہیں ہے۔ جس کی وضاحت سابقہ سطور میں کر دی گئی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسبیل

برادرانِ عزیز آج ایک بار پھر اس محیر العقول کائنات کے خالقِ حقیقی کی عظمت کے سامنے ہمارا سرِ تسلیم خم ہے کہ جس کی فیض یابی کے باعث بزمِ طلوعِ اسلام لاہور ''مطالب القرآن فی دروس الفرقان'' کے سلسلہ کی سولہویں جلد سورۃ العنکبوت کی تفسیر پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہے۔

عزیزانِ من اس سے پیشتر ہم نے سورۂ الفرقان میں ''حرفِ تمنا'' کے عنوان کے تحت تحریر کیا تھا کہ:

''قرآن حکیم کے متعلق نوعِ انسانی کے نزدیک سب سے اہم اور مقدم سوال یہ سمجھا جاتا ہے کہ آخر وہ کون سی خصوصیتِ کبریٰ ہے کہ جس کے تحت اس قندیلِ آسمانی کو ذکر للعالمین کہا گیا ہے اور ہمارا یہ ایمان ہے کہ قرآن حکیم کی صداقتوں اور حقیقتوں کو علیٰ الوجہ بصیرت تسلیم کیے بغیر کوئی شخص بھی مومن نہیں ہوسکتا۔'' اس لیے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ انسان کا تعلق اس کے مقرر کردہ قوانین و اقدار سے ہی ہوتا ہے جب کہ اس کے برعکس انسانی دنیا میں سب سے بڑا جرم قوم کو نظریاتی طور پر خوئے غلامی میں مبتلا کر دینا ہے لیکن آج تو پوری انسانیت کی معاشی' سیاسی' تمدنی زندگی کا انگ انگ شخصیت پرستی میں جکڑا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ اس حقیقت بالغہ کی وضاحت کرتے ہوئے اس عہد کے عظیم مفکر قرآن علامہ غلام احمد پرویزؒ نے مئی 1980ء کی 16 تاریخ کو درسِ قرآن حکیم کے شروع میں فرمایا:

> ''جیسا کہ آپ احباب کو علم ہے میں نہایت انکساری سے متعدد بار عرض کر چکا ہوں کہ میری عمر قریباً ساری کی ساری قرآنِ کریم کے ہی غور و فکر میں گذری اور اگر مجھ سے یہ پوچھا جائے کہ آخر اس کے بعد آپ نے قرآن حکیم کی تعلیم کا ملخص کیا پایا اور اس کا نقطۂ ماسکہ' اس کا مرکزی موضوع' اور اس کا عمود کیا ہے یعنی یہ کیا چاہتا ہے اور اس نے کیا کیا ہے' اس کی تعلیم کیا ہے؟ تو وہ ایک فقرے میں یہ ہے کہ اس نے انسان کو اس کے مقام سے آشنا کرایا ہے۔ ہمارے

ذہنوں میں تو یہ ہے کہ خدا نے کچھ اپنے متعلق اس میں کہا ہوا ہے وہ یہ کچھ کر رہا ہے اور یہ اس کی کتاب ہے، اس نے اپنے متعلق یہ کچھ کہا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ یہ کتاب تو اسی کی ہے مگر وہ جو اقبال نے کہا ہے کہ

محمدؐ بھی ترا جبریل بھی قرآن بھی تیرا
مگر یہ حرفِ شیریں ترجماں تیرا ہے یا میرا

یہ ترجمان جو ہے یہ تو انسان کا ہے اور اس میں اس کے صحیح مقام سے اسے آشنا کرایا گیا ہے اور یہ چیز مذاہب کی دنیا میں تو ایک طرف رہی، یہ تو دنیائے فکر و دانش میں کہیں نہیں ملے گی، جو اس نے قرآن حکیم میں بیان کی ہے۔''

عقل انسانی کے بل بوتے پر تشکیل پانے والے نظامِ حیات کا ماحصل

عزیزانِ من جہاں تک سورۃ العنکبوت پر دیئے گئے درس کا تعلق ہے تو اس سورۃ کے عنوان کے پیشِ نظر قرآن حکیم کی روشنی میں علامہ پرویز صاحب تنہا عقل انسانی کے بل بوتے پر تشکیل کردہ نظام کے ماحصل کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''جہاں کہیں بھی کوئی ایک بڑی ہی عمیق اور نظری چیز آتی ہے تو قرآن وہاں فوراً محسوس مثال دیتا ہے۔ کہا کہ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ (29:41) یہ لوگ جنہوں نے اقدارِ خداوندی کو چھوڑ کر اور نظام اور اصول اور اقدار اور روشیں اختیار کیں، اور پھر وہ ایسی قومیں تھیں جنہوں نے اس قسم کے لوگوں کو اپنا سہارا بنایا، تو وہ بہت مطمئن تھیں۔ کہا کہ کیفیت یہ تھی کہ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ (29:41) یہ تو مکڑی کا جالا تھا۔ مکڑی کا جالا کرتا یہ ہے کہ جو اُس سے کمزور مکھیاں مچھر ہوتے ہیں، ان کو تو پھانس لیتا ہے۔ اور اگر کوئی اُس سے طاقتور پھونک بھی مار دے تو سامنے کچھ نہیں ہوتا۔ کہا کہ یہ سارا تمکن، یہ سارا علم و بصیرت اپنے سے کمزور کو پھانسنے کے لیے تو بہت ٹھیک تھا لیکن اس سے زیادہ قوت والا ایک بھی آئے تو اُس کی تو پھونک کو نہیں سہار سکتا۔ کیا

بات ہے اس مثال کی! کہا کہ گھر وہ بناؤ جو طاقتور کو پھانس لے اور کمزور کی حفاظت کرے، وہ گھر نہیں ٹوٹے گا۔ مکڑی کے جالے نہ بناؤ جو ہر کمزور کو پھانس لے گا۔ مَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى (2:256) جس نے غیر خدائی قوانین کو تیاگ کر، اقدارِ خداوندی کے محکم سہارے کو پکڑ لیا، تو اُس نے ایسا سہارا پکڑا جس کا ٹوٹنا تو ایک طرف، وہ تو تڑکتا بھی نہیں ہے۔ کہا کہ سہارا لینا ہے تو وہ سہارا لو۔ ان مکڑی کے جالوں کے سہاروں کی کیا کیفیت اور تمہاری کیا حالت ہوگی۔ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ط وَ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ (29:41) کوئی ذرا سا بھی مقابل میں زور والا آ جائے تو اُس کے سامنے یہ ختم ہو جاتی ہے۔ کہا کہ ہم نے مثال سے بات تو سمجھائی ہے، خدا کرے کہ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (29:41) تم علم و عقل کی رو سے بات سمجھو کہ میں کیا کہہ گیا ہوں''۔

عقل انسانی کی یہی وہ ناکامی ہے کہ جس کا احساس کرتے ہوئے علامہ اقبال نے آج سے 70 سال قبل فرمایا تھا کہ:

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

چنانچہ ان گنت قسم کی معاشرتی، سیاسی، تمدنی ہزار کوششوں کے باوجود بھی یہ عقل انسانی مصائب والام کے بھنور سے نکل کر آزادی کے بحرِ بے کراں کے آبِ حیات سے اپنی تشنگی نہ بجھا سکی۔

عزیزانِ من! زندگی کے یہی وہ حقائق ہیں کو جن محسوس کرتے ہوئے۔

ہمارے اس دَور کے ماہرِ سیاسیات ایچ جے مینکن (H.J.Mencken) نے اپنی کتاب Treatise on Right and Worng میں لکھا ہے:

''تمام ناکامیوں میں سب سے بڑی ناکامی خود انسان کی ہے۔ اس انسان کی جو سب سے زیادہ مدنی الطبع حیوان اور سب سے زیادہ عقل مند ہے اور وہ

ناکامی یہ ہے کہ یہ اپنے لیے آج تک کوئی ایسا نظام وضع نہیں کر سکا جسے دُور سے بھی اچھی حکومت کہا جا سکے۔ اس نے اس باب میں بڑی بڑی کوششیں کیں۔ بہت سی ایسی جو فی الواقع محیر العقول ہیں اور بہت سی ایسی جو بڑی جرأت آزما تھیں لیکن جب ان کی عملی تنفیذ کا وقت آیا، تو نتیجہ حسرت و یاس کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ نظری طور پر حکومت کا خاکہ کھینچ لینا اور بات ہے، اور عملی طور پر اسے نافذ کرنا اور بات۔ نظری طور پر حکومت اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ افرادِ مملکت کی ضروریاتِ زندگی مہیا کرنے کا ذریعہ ہے اور ارباب حکومت پبلک کے خادم ہیں۔ جب حکومت ہاتھ آ جاتی ہے تو اس پبلک کی حکومت نہیں بلکہ سلب و نہب ہوتا ہے۔''

مندرجہ بالا حقیقتِ حال کے پیشِ نظر اگر یہ پوچھا جائے کہ آخر ایسا کیوں ہے تو اس کا جواب علامہ اقبال کے الفاظ میں اس کے علاوہ اور کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہبر ہو ظن و تخمیں تو زبوں کارِ حیات

عزیزانِ من! عقلِ بے مایہ کی یہی وہ خامی تھی کہ جس کے پیشِ نظر خدائے علیم و خبیر نے نوعِ انسانی کو قرآن حکیم کی روشنی عطا فرمائی تا کہ یہ حضرت انسان زندگی جیسی عظیم نعمت کو ''زبوں کارِ حیات'' ہونے سے محفوظ رکھ سکے۔

قرآن حکیم اور سائنس

پرویزؒ صاحب اکثر کہا کرتے تھے کہ قرآنی حقائق کی بلاغت کو سمجھنے کے لیے یہ لازم ہے کہ انسان اپنے دور کی علمی سطح سے کماحقہٗ واقف ہو چنانچہ ہمارا خیال ہے کہ اس حقیقت کے پیشِ نظر محترم علامہ پرویزؒ نے ''سورۃ العنکبوت'' پر پیش کردہ دورس کے دوران اس کے آٹھویں درس میں قرآن حکیم کے لفظ ''**بدع**'' اور ''**فَطر**'' (کہ جس کے بغیر لفظ خلق کا وجود ہی بے معنی ہو جاتا ہے) کے متعلق نظریہ ارتقا کے سلسلہ میں جو سائنسی انکشافات اور علامہ اقبال کی بصیرت افروز راہنمائی پیش کی ہے انہیں ضرور دیکھ لیا جائے کیونکہ اس سے ہمیں یہ بخوبی اندازہ ہو سکے گا کہ قرآن حکیم نے اپنے ہاں چودہ سو سال پیشتر انسانی سوچ کو جلا بخشنے کے لیے کس قدر بلند نگہی کا سامان مہیا کر رکھا ہے ہمارا خیال ہے کہ اس درس کے مطالعہ کے بعد آپ

بے ساختہ اس حقیقت کا اعتراف لیے بغیر نہ رہ سکیں گے کہ وحی کی آغوش میں نشو ونما پانے والی شخصیت کا شعور گوہر تابدار بن کر صدیوں پر پھیلے ہوئے انسانی زندگی کے اس طویل سفر کو کس قدر محدود سے محدود حد تک سمیٹ سکتا ہے۔

عزیزانِ من! یہی وہ قندیل آسمانی ہے کہ جس کے روشنی میں نوع انسانی قیصر و کسریٰ کی جکڑ بندیوں اور احبار و رہبان کی زنجیروں سے چھٹکارا حاصل کرتے ہوئے آزادی کی اس نعمت سے لطف اندوز ہو سکے گی جسے آسمان کی آنکھ صدیوں سے دیکھنے کی منتظر ہے۔

اقبال کے الفاظ ہیں:

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

محمد اشرف ظفر

نمائندہ بزم طلوعِ اسلام لاہور

اکتوبر 2008ء

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آصف جلیل، کراچی
asif.jalil1@gmail.com

حضرت انسان قرآن کے آئینے میں

(قسط ۶)

تِلْکَ الْقُرٰی نَقُصُّ عَلَیْکَ مِنْ اَنْبَآئِھَا ۚ وَ لَقَدْ جَآءَتْھُمْ رُسُلُھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا کَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا کَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ کَذٰلِکَ یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِ الْکٰفِرِیْنَ o وَ مَا وَجَدْنَا لِاَکْثَرِھِمْ مِّنْ عَھْدٍ وَ اِنْ وَّجَدْنَآ اَکْثَرَھُمْ لَفٰسِقِیْنَ (7:101-2)۔

ان بستیوں کے کچھ کچھ قصے ہم آپ سے بیان کر رہے ہیں اور ان سب کے پاس ان کے پیغمبر بینات لے کر آئے پھر جس چیز کو انہوں نے ابتدا میں جھوٹا کہہ دیا یہ بات نہ ہوئی کہ پھر اس کو مان لیتے، اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کے دلوں پر بند لگا دیتا ہے۔ اور اکثر لوگوں میں ہم نے وفائے عہد نہ دیکھا اور ہم نے اکثر لوگوں کو بے حکم ہی پایا۔

پہلی آیت میں ایک نفسیاتی پیچ کا ذکر ہے کہ ایک شخص جن باتوں کا انکار کر دے اس کے لیے بہت مشکل ہوتا ہے کہ وہ ان سے رجوع کر لے۔ لوگ اپنے نظریات اور عقائد پر نظر ثانی کرنے کو تیار نہیں ہوتے اور جیسے جیسے عمر بڑھتی ہے یہ اور بھی مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ یہ تسلیم کرنے سے انسان کی انا کو ٹھیس پہنچتی ہے کہ وہ اتنے عرصہ تک غلط تصورات پر قائم رہا۔ دوسری آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو لوگ بلا وجہ انکار کرتے ہیں بھروسے کے لائق نہیں ہوتے کیونکہ وہ کسی اصول یا قاعدے کے پابند نہیں ہوتے۔ جو لوگ دلیل و برھان کی بنیاد پر بات کرتے ہیں وہ دوسروں کو اپنی بات کی صداقت کا ثبوت پیش کر سکتے ہیں۔

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ لَمْ یَکُ مُغَیِّرًا نِّعْمَۃً اَنْعَمَھَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ وَ اَنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (8:53)۔

یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ کسی قوم پر کوئی نعمت انعام فرما کر پھر بدل دے جب تک کہ وہ خود اپنی اس حالت کو نہ بدل دیں جو کہ ان کی اپنی تھی

اور یہ کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

یہاں ایک اہم حقیقت بیان ہوئی ہے کہ جس قوم کو نعمتیں عطاء ہوتی ہیں اس کی حالت اس وقت تک تبدیل نہیں ہوتی جب تک ان کے نفس میں تبدیلی نہ ہو جائے۔ یہاں مروجہ عقیدہ تقدیر کی صریحاً نفی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بات اٹل ہے یعنی اعمال کے نتائج غیر متبدل ہیں لیکن عمل بہرحال انسان نے ہی کرنا ہے اور جیسا عمل کرے گا (جس کا اسے مکمل اختیار ہے) ویسا ہی اس کا نتیجہ ہوگا۔ (نتیجے پر اس کا اختیار نہیں ہے) پہلے سے کسی کی تقدیر نہیں لکھی گئی۔ البتہ اعمال کے نتائج ضرور طے شدہ (دوسرے لفظوں میں لکھے ہوئے) ہیں۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ o اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّ هُمْ لَا يَتَّقُوْنَ (8:55-56)۔

تمام جانداروں سے بدتر' اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو کفر کریں' پھر وہ ایمان نہ لائیں۔ جن سے آپ نے عہد و پیمان کرلیا پھر بھی وہ اپنے عہد و پیمان کو ہر مرتبہ توڑ دیتے ہیں اور بالکل پرہیز نہیں کرتے۔

اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق وہ لوگ ہیں جو کفر کرتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔ یہاں ایک مروجہ غلط فہمی دور کرنے کی ضرورت ہے کہ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ کفر ایک نظریہ ہے جس کے ماننے والے کافر کہلاتے ہیں۔ کفر یعنی انکار کرنا دراصل ایک رویے کا نام ہے۔ اگر ایک شخص اللہ کے بعض احکام کو مان رہا ہے اور بعض احکام کا انکار کر رہا ہے تو وہ کسی حد تک کفر بھی کر رہا ہے۔ یاد رہے اللہ تعالیٰ محض زبانی اقرار لیکن عملاً انکار کو بھی کفر کے زمرے میں شمار کرتا ہے۔ لہذا یہ جائزہ لینے کی نہایت ضرورت ہے کہ ہمارا کن احکامات پر ایمان ہے اور کن احکامات کا ہم عملاً انکار کر رہے ہیں۔ ایسی ذہنیت کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے بدترین مخلوق قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ وہ اپنی بات پر قائم نہیں رہتے حتیٰ کہ عہد و پیمان بھی توڑ دیتے ہیں۔ ان کی اس روش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ''متقی'' نہیں رہتے۔ یعنی زندگی کے سفر میں جو امکانی خطرات درپیش ہوسکتے ہیں ان سے اپنا دامن نہیں بچا پاتے۔

وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (8:63)۔

ان کے دلوں میں باہمی الفت بھی اسی نے ڈالی ہے۔ زمین میں جو کچھ ہے تو اگر سارا کا سارا بھی خرچ کر ڈالتا تو بھی ان کے دل آپس میں نہ ملا سکتا۔ یہ تو اللہ ہی نے ان میں الفت ڈال دی ہے' وہ غالب حکمتوں والا ہے۔

یہاں ایک اور عظیم حقیقت بیان کی گئی ہے۔ بے شک قرآن کریم کی ہر بات ہمارے لئے کوئی نہ کوئی رہنمائی لئے ہوئے ہے۔ افسوس کہ مسلمانوں کی اکثریت خود ان سے بے خبر ہے تو وہ دوسروں کو کیا بتائیں گے۔ مندرجہ بالا آیت میں بتایا گیا ہے کہ دلوں میں الفت' ہم آہنگی اور یگانگت کی بنیاد اللہ تعالیٰ فراہم کرتا ہے اور وہ بنیاد صرف اور صرف قرآن کریم ہے۔ اگر دنیا کی ساری دولت بھی خرچ کر دی جائے پھر بھی لوگوں میں باہمی الفت پیدا نہیں ہو سکتی۔ مفادات کے تعلقات صرف اس وقت تک قائم رہتے ہیں جب تک مفاد رہتا ہے۔ عربی کی ایک ضرب المثل ہے کہ جسے تم مال دے کر اپنا دوست بناؤ گے کوئی اور زیادہ دے کر اسے تم سے چھین لے گا۔ جو فی الواقع قرآن کریم پر عمل کرنے والے ہیں ان کے درمیان دوستی اور یگانگت کا مضبوط رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (9:31)۔

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنایا ہے اور مریم کے بیٹے مسیح کو حالانکہ انہیں صرف ایک اکیلے اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔

اللہ کے بتائے ہوئے راستوں سے ہٹ جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگ اپنے اپنے زمانے کے مذہبی لیڈروں (ماضی کے احبار و رہبان اور آج کے مولوی' ملا و مشائخ) کی بتائی ہوئی باتوں' روایتوں اور کہانیوں کو مانتے اور ان پر عمل کرتے ہیں۔ اس طرح اللہ کی تعلیمات پیچھے رہ جاتی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر شخص خود قرآن کریم کو پڑھے' سمجھے اور اس پر عمل کرے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (9:34)۔

اے ایمان والو! اکثر علماء اور عابد' لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روک دیتے ہیں۔ اور جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے' انہیں دردناک عذاب کی خبر پہنچا دیجئے۔

اس سے پہلے جس آیت کا حوالہ دیا گیا تھا اس میں بتایا گیا تھا کہ لوگ اللہ کی باتوں کو چھوڑ کر مذہبی رہنماؤں کی باتیں مانتے ہیں۔ اور اس آیت میں ان مذہبی لیڈروں کے طریقہ

واردات کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ میں روکاوٹ بنتے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں یعنی منفعت انسانی کے لئے استعمال میں نہیں لاتے انہیں دردناک عذاب کی بشارت دی گئی ہے۔ جو لوگ منبروں پر کھڑے ہو کر لوگوں کو انفاق فی سبیل اللہ کی تبلیغ کرتے ہیں وہ خود کتنی رقم اللہ کی راہ میں دیتے ہیں؟ وہ خود تو لوگوں سے اللہ کے نام پر مانگی ہوئی دولت سے عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور غریبوں کو دنیا کی حرص سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔

اِنۡ تُصِبۡکَ حَسَنَۃٌ تَسُؤۡھُمۡ وَ اِنۡ تُصِبۡکَ مُصِیۡبَۃٌ یَّقُوۡلُوۡا قَدۡ اَخَذۡنَاۤ اَمۡرَنَا مِنۡ قَبۡلُ وَ یَتَوَلَّوۡا وَّ ھُمۡ فَرِحُوۡنَ (9:50)۔

آپ کو اگر کوئی بھلائی مل جائے تو انہیں برا لگتا ہے اور کوئی برائی پہنچ جائے تو یہ کہتے ہیں ہم نے تو اپنا معاملہ پہلے ہی سے درست کر لیا تھا' پھر تو بڑے ہی اتراتے ہوئے لوٹتے ہیں۔

یہاں حاسد لوگوں کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ دوسروں کی بہتری سے انہیں تکلیف پہنچتی ہے۔ یہ حسد کا نفسیاتی اثر ہے کہ انسان اپنے ہی منفی جذبات سے خود کو نقصان پہنچاتا ہے جو ناآسودگی اور مایوسی کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ دوسری طرف اگر کوئی مشکل حالات سے دوچار ہو جائے تو دل میں خوشی محسوس کرتے ہیں جو درحقیقت سطحی ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنے پہلو میں ان دیکھا خوف لئے ہوتی ہے کہ کہیں وہ بھی کسی مشکل میں نہ پڑ جائیں۔ بظاہر وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی دانائی انہیں بچاتی ہے اس لئے وہ اپنے فیصلے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کرنے کی بجائے جھوٹی خود اعتمادی کے دھوکے میں رہتے ہیں جو بالآخر انہیں لے ڈوبتی ہے۔ حقیقی خود اعتمادی تو اللہ کے قوانین سے پیدا ہوتی ہے۔

وَ لَوۡ اَنَّھُمۡ رَضُوۡا مَاۤ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوۡلُہٗ وَ قَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰہُ سَیُؤۡتِیۡنَا اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ وَ رَسُوۡلُہٗۤ اِنَّاۤ اِلَی اللّٰہِ رٰغِبُوۡنَ (9:58)۔

ان میں وہ بھی ہیں جو خیراتی مال کی تقسیم کے بارے میں آپ پر عیب رکھتے ہیں' اگر انہیں اس میں سے مل جائے تو خوش ہیں اور اگر اس میں سے نہ ملا تو فوراً ہی بگڑ کھڑے ہوئے۔

یہاں انسان کی اس خصلت کا ذکر کیا ہے جس کی بنیاد پر وہ فیصلے کرتا ہے یعنی اس کے اپنے مفادات۔ اگر اس کو فائدہ ہو تو ٹھیک ہے ورنہ اسے گڑبڑ اور بے ایمانی نظر آئے گی۔ ایسی ذہنیت کے لوگ نبی کریم ﷺ پر بھی الزام لگانے سے باز نہیں رہے۔ آج ہماری پوری قوم اس دوہرے معیار پر اس طرح عمل پیرا ہے کہ اس طرز عمل کو برا ہی نہیں سمجھا جاتا۔ قرآن کی تعلیمات کو پس پشت ڈالنے کا یہی نتیجہ نکلتا ہے۔

وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ O فَلَمَّاۤ اٰتٰهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ بَخِلُوۡا بِهٖ وَ تَوَلَّوۡا وَّ هُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ(9:75-76)۔

ان میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل سے مال دے گا تو ہم ضرور صدقہ خیرات کریں گے اور پکی طرح نیکو کاروں میں ہو جائیں گے۔ لیکن جب اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا تو یہ اس میں بخیلی کرنے لگے اور ٹال مٹول کر کے منہ موڑ لیا۔

ایسے بہت سے لوگ نظر آئیں گے جو یہ کہتے ہیں کہ اگر میرے پاس دولت آ جائے تو میں یہ کروں اور وہ کروں گا۔ لیکن دولت ملنے کے بعد سب کچھ بھول جاتے ہیں اور اپنی من مانیاں کرتے ہیں۔ ایسے لوگ ہر خاندان میں ہوتے ہیں جن کے پاس دولت آ جانے کے بعد انکے تعلقات' طرز عمل اور طرز زندگی اس طرح بدل جاتا ہے کہ دوسرے لوگوں کو حقیر سمجھنے لگ جاتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلام باری، مانچسٹر

وسیلہ

ہمارے ہاں تو لفظ وسیلہ کے ایک ہی معنی ہیں یعنی ذریعہ یا واسطہ۔ لیکن عربی زبان میں اس کے متعدد معنی ہیں مثلاً کسی چیز کی طرف رغبت کے ساتھ پہنچنا۔ منزلت۔ مقام۔ مرتبہ۔ درجہ۔ تعلق۔ یہ تمام معنی اس لفظ میں شامل ہیں۔ قرآن کریم میں یہ لفظ صرف دو جگہ آیا ہے۔ (۵/۳۵) اور (۱۷/۵۷) میں۔

(۵/۳۵) میں ہے ''اے ایمان والو! تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کی طرف ''وسیلہ طلب کرو'' یعنی اس کی راہ میں جہاد کرو۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔'' اس آیت میں لفظ وسیلہ کا غلط مفہوم لے کر اسپر ''پیری مریدی'' کی ایسی عمارت کھڑی کر دی گئی ہے جو قرآن کریم کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ خدا تک پہنچنے کے لئے ایک وسیلہ کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ وسیلہ پیر ہوتا ہے۔ پیر کے بغیر خدا تک پہنچا ہی نہیں جا سکتا۔

اس ضمن میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ''اولیاء اللہ'' خدا تک پہنچنے (یا اپنی دعاؤں کو خدا تک پہنچانے) کا وسیلہ (ذریعہ) ہیں اور ہم اسی مقصد کے لئے ان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس عقیدہ کی تائید میں سورہ مائدہ کی یہ آیت پیش کر دی جاتی ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (۵/۳۵)۔

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے اس کا سیدھا سادہ ترجمہ یہ ہے ''اے ایمان والو! تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کی طرف ''وسیلہ'' طلب کرو یعنی اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ لیکن اس لفظ ''وسیلہ'' سے پیر پرستی کی دلیل لائی جاتی ہے اور پھر اس پر اشخاص پرستی کی وہ عمارت قائم کر دی جاتی ہے جسے مٹانے کے لئے قرآن آیا تھا اور جو نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا مقصد تھا:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (۷/۱۵۷)۔

قرآنی آیات کا اسی قسم کا غیر قرآنی مفہوم نکالنا جس کی

طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے کہا ہے:

يُضِلُّ بِهِ كَثِيراً وَيَهْدِي بِهِ كَثِيراً (۲/۲۶)۔

بہت سے لوگ اس قرآن کا (غلط مفہوم لے کر) گمراہ ہو جاتے ہیں اور بہت سے اس سے صحیح راہنمائی حاصل کر لیتے ہیں۔

سورہ مائدہ کی مندرجہ بالا آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کرو اور خدا کے ہاں درجہ۔ مرتبہ۔ قرب۔ منزلت طلب کرو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم اس کے راستے میں پوری پوری جدوجہد کرتے رہو۔ اس سے تم مقصدِ زندگی کے حصول میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ یہ مفہوم کہ تقویٰ سے خدا کے ہاں درجہ اور منزلت حاصل ہو جاتی ہے' قرآن کے متعدد مقامات سے واضح ہو جاتی ہے۔ مثلاً

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (۴۹/۱۳)۔

خدا کے ہاں تم میں سب سے زیادہ واجب العزت وہ ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ شعار ہے اور اگر ''وسیلہ کے معنی' ذریعہ'' کئے جائیں تو بھی مطلب واضح ہے کہ تم تقویٰ اور جہاد کے ذریعے خدا کے ہاں قدر و منزلت طلب کرو۔ قرآن' خدا اور انسان کا براہ راست تعلق قائم کرتا ہے اور یہ تعلق اس کی کتاب کے ذریعے قائم ہوتا ہے۔ خدا اور انسان کے درمیان دوسرے انسانوں کے ذریعہ بننے کا تصور غیر قرآنی ہے۔ اسی لئے اس نے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ

جب (اے رسول) تجھ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو ان سے کہہ دو کہ میں ان سے قریب ہوں۔ اتنا قریب کہ

أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ

میں ہر اس شخص کی پکار کا' جو مجھے پکارتا ہے' جواب دیتا ہوں لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ

فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ (۲/۱۸۶)۔

انہیں چاہئے کہ میری فرماں برداری کریں۔ مجھ پر ایمان رکھیں تا کہ انہیں رشد و ہدایت مل جائے۔

بات کس قدر صاف ہے۔ جو شخص قوانینِ خداوندی کی صداقت پر ایمان رکھتا ہے اور ان کی اطاعت کرتا ہے اسے وہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے جس کے لئے لوگ ''مرشد'' تلاش کرتے رہتے ہیں۔

قرآن کریم کی تعلیم کا نقطہ ماسکہ یہ سمجھئے کہ وہ اللہ اور بندے کے درمیان کسی طاقت کو حائل نہیں ہونے دیتا۔ نہ سیاست میں حکمران کی طاقت کو' نہ رزق کے معاملہ میں سرمایہ دار کی طاقت کو۔ نہ مذہب میں پیشوائیت کی طاقت کو۔ (اسلام میں مذہب اور سیاست الگ الگ عناصر ہیں ہی نہیں) اور نہ ''خدا اور بندے کے تعلق'' کے لئے پیرانِ

طریقت کی طاقت کو۔ اس کتاب کے ذریعے ہر شخص کا خدا سے براہ راست تعلق قائم ہو جاتا ہے اور اس کی اطاعت اس نظام کے ذریعے ہوتی ہے جو اس مقصد کے لئے باہمی مشاورت سے متشکل کیا جاتا ہے۔

''اولیاء اللہ'' کے غلط تصور کی رو سے خدا اور بندے کے درمیان اس کے ''خاص بندوں'' کی کڑی کو کس قدر لاینفک سمجھا جاتا ہے اس کا اندازہ اس حکایت سے لگائیے جو خانقاہیت کی تعلیم گاہوں میں سب سے پہلے ذہن نشین کرائی جاتی ہے۔ حکایت یہ ہے کہ حضرت بابا فریدؒ دریا کے اس پار رہتے تھے اور ان کی خانقاہ دریا کے اس پار تھی۔ وہ ہر صبح گھر سے نکلتے۔ آگے آگے آپ' پیچھے پیچھے آپ کا ایک مقرب مرید۔ دریا کے کنارے پہنچتے تو کسی پل یا کشتی کے بغیر' پانی پر سیدھے چلتے ہوئے اس پار پہنچ جاتے۔ اسی طرح شام کو واپس آ جاتے۔ مرید سے انہوں نے کہہ رکھا تھا کہ پانی پر چلتے وقت یا فریدؒ یا فریدؒ پکارتے رہا کرو۔ اس طرح برسوں گزر گئے۔ ایک دن پانی پر چلتے' مرید نے سنا کہ خود بابا صاحبؒ بھی کچھ الفاظ دہرا رہے ہیں۔ اس نے کان لگا کر سنا تو وہ کہہ رہے تھے یا اللہ۔ یا اللہ۔ مرید نے دِل میں سوچا کہ میں بھی ''یا فریدؒ'' کے بجائے ''یا اللہ'' ہی کیوں نہ کہوں۔ اس نے جونہی ''یا اللہ'' کہا دھڑام سے پانی میں گر گیا اور لگا غوطے کھانے۔ بابا صاحبؒ نے اسے سنبھالا اور کنارے پر آ کر پوچھا کہ آج کیا ہوا تھا! اس نے ڈرتے کانپتے بات سنائی تو آپ نے فرمایا کہ تم نے کبھی اللہ کو دیکھا ہے؟ اس سے براہ راست کوئی راہ و رسم ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جس سے تمہاری جان نہ پہچان اسے تم اپنی مدد کے لئے کس طرح پکار سکتے ہو؟ فرید کی خدا سے راہ و رسم ہے اس لئے وہ اسے پکارتا ہے۔ تمہاری فرید سے راہ و رسم ہے' تم اسے پکارو۔ جس دن تمہاری راہ و رسم خدا سے براہ راست ہو جائے گی تم بھی اسے پکار لینا!

یہ اور اسی قسم کی دیگر حکایات کے ذریعہ شروع ہی سے یہ چیزیں ذہن نشین کرائی جاتی ہیں کہ خدا کے مقرب بندے۔ اولیاء اللہ۔ خدا اور دوسرے انسانوں کے درمیان لاینفک کڑی ہوتے ہیں۔ تم خدا سے براہ راست اپنا رشتہ جوڑ ہی نہیں سکتے اور ان سے یہ رشتہ ان کی زندگی تک ہی محدود نہیں سمجھا جاتا۔۔۔ ان کی وفات کے بعد بھی ان سے بدستور قائم رہتا ہے۔ اس لئے کہ اولیاء اللہ کے متعلق عقیدہ یہ ہے کہ وہ مرنے کے بعد بھی اسی طرح حاضر ناظر رہتے ہیں جس طرح زندگی میں۔ وہ سب کی سنتے ہیں۔ سب کچھ دیکھتے ہیں۔ مانگنے والوں کی مرادیں پوری کرتے ہیں۔ خدا کے ہاں ان کی سفارش کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کریم واضح الفاظ میں کہتا ہے:

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُو مِن دُونِ اللَّهِ مَن لَّا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَومِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَن دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ (۴۶/۵)۔

اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو اللہ کو چھوڑ کر اسے پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی پکار کا جواب نہیں دے سکتا۔ (جواب دینا تو ایک طرف) وہ ان کی پکار سے یکسر بے خبر ہوتے ہیں۔ انہیں اس کا بھی علم نہیں ہوتا کہ ان کو کون پکار رہا ہے۔

وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاء وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِيْنَ (۴۶/۶)۔

اور جب لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا تو یہ (اپنے ان پکارنے والوں کے) دشمن ہوں گے اور ان کی پرستش سے یکسر انکار کر دیں گے۔

یہ آیت واضح طور پر بتا رہی ہے کہ یہاں کفار کے بتوں کا یا ان کے دیگر معبودانِ باطل کا ذکر نہیں ہے۔ ذکر خدا کے ان بندوں کا ہے جنہیں لوگ ان کی وفات کے بعد اپنی مرادوں کے لئے پکارتے ہیں۔ ان کا ان عقیدت مندوں کی اس قسم کی حرکات سے بری الذمہ ہونے کا اظہار، ان کی خدا کے مخلص بندے ہونے کی شہادت ہے۔ ان کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ وہ اپنے پکارنے والوں کی پکار کو سن ہی نہیں سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی رو سے مرنے والوں کا اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ ان کا تعلق اس دنیا سے پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے کہا ہے:

إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ (۳۵/۱۴)۔

اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار کو سنتے ہی نہیں اور اگر بفرض محال وہ تمہاری پکار کو سن بھی لیتے تو وہ اس کا جواب نہیں دے سکتے تھے اور قیامت کے دن وہ تمہارے اس شرک سے اظہارِ نفرت اور بیزاری کریں گے۔ یہ باتیں تمہیں وہ خدا بتا رہا ہے جس سے کچھ بھی چھپا نہیں۔ وہ اس دنیا سے چلے جانے والوں کے احوال و کوائف سے اچھی طرح واقف ہے۔

یہاں بھی آیت کے دوسرے حصے سے واضح ہے کہ بات خدا کے ان نیک بندوں کی ہو رہی ہے جو اپنے ان ۔۔۔۔۔ عقیدت مندوں کے اس شرک سے متنفر ہوں گے۔ سوچئے کہ جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ ان کے اس فعل کو شرک قرار دیتے ہیں اور یہ ان کے عقیدت مند اور تابع فرمان بنتے ہیں۔ ان کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ وہ غیب کی باتیں جانتے ہیں اور خدا کا ارشاد ہے کہ:

قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ

ان سے کہہ دو کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں خدا کے سوا کوئی نہیں جو غیب کا علم رکھتا ہو اور مُردوں کی تو حالت یہ ہے کہ:

وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ (۲۷/۶۵)۔

انہیں اس کا بھی علم نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے۔

کہہ دیتے ہیں کہ یہ آیات عام مُردوں کے متعلق ہیں' شہیدوں کے متعلق نہیں۔ شہید زندہ ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ان اولیاء اللہ کو شہیدوں کے زمرے میں شامل کر دیتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے نفس کو مار دیا ہوتا ہے۔ اس لئے ان کا رتبہ شہیدوں سے بھی بڑھ کر بتایا جاتا ہے' جب کہا جاتا ہے کہ: او کشتۂ دشمن است' ایں کشتۂ دوست' غیب کے متعلق اور تو اور خود رسول اللہ ﷺ سے اللہ کا ارشاد ہے:

قُل لَّا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَآئِنُ اللّهِ وَلا أَعْلَمُ الْغَيْبَ (۶/۵۰)۔

ان سے کہہ دو کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ نہ ہی میں یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کا علم جانتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو (اور دوسرے رسولوں کو) جن امور غیب کا علم دینا چاہتا تھا وہ وحی کے ذریعے دے دیتا تھا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت مریمؑ کا قصہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:

ذَلِكَ مِنْ أَنبَاء الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ (۳/۴۴)۔

یہ غیب کی ان خبروں میں سے ہے جسے اللہ نے تیری طرف وحی کیا ہے۔

چونکہ وحی کا سلسلہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ختم ہو گیا اس لئے اس کے بعد کسی کو غیب کا علم ہونے کا امکان بھی ختم ہو گیا۔ جو شخص غیب کے علم کا دعویٰ کرتا ہے وہ درحقیقت نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔

قرآن کریم کی رو سے اولیاء اللہ (خدا کے ولیوں) کا کوئی خاص گروہ نہیں ہوتا۔ تمام مومن' اولیاء اللہ کہلاتے ہیں۔ یہ جو ہم میں خاص خاص انسانوں کو اولیاء اللہ سمجھا جاتا ہے' اور ان کی خصوصیت' فوق الفطرت کرامات کا ظہور قرار دی جاتی ہے تو یہ تصور غیر قرآنی ہے اور دوسرے مذاہب سے مستعار لیا ہوا۔ بالخصوص عیسائیوں کے طریقِ رہبانیت (Saints) کا عکس۔ ہمیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن کریم کی رو سے جس طرح ولی المومنین ہونا خدا کی صفت ہے اسی طرح ولی اللہ ہونا ہر مومن کی صفت ہے۔ یعنی ہر مومن ولی اللہ ہوتا ہے۔

قرآن کریم کی رو سے خدا اور بندے کا تعلق باہمی رفاقت کا ہے۔ اس رفاقت کے معنی یہ ہیں کہ انسان خدا کے احکام و قوانین کی اطاعت کرتا ہے تو اس کی تائید و نصرت (ان قوانین کے ثمرات و نتائج کی شکل میں) انسان کے شاملِ حال ہو جاتی ہے۔ یوں خدا انسان کا ولی بن جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر جب انسان کو خدا کا ولی کہا جائے گا تو اس کے معنی ہوں گے خدا کے قوانین کی اطاعت کرنے والا۔

اس کے کائناتی پروگرام کو بروئے کار لانے والا اور جب خدا کو انسان کا ولی کہیں گے تو اس کے معنی ہوں گے' انسانی اعمال کے ثمرات عطا کرنے والا۔ یا اس کا کارفرما اور سرپرست۔ حاکم اور محافظ۔ جس کے غلبہ وتسلط (یعنی احاطۂ قوانین) سے باہر نہ جایا جا سکے اس مفہوم کے لئے قرآن کریم میں مولیٰ کا لفظ آیا ہے۔

انسان غلط روش اختیار کرے تو وہ خدا کی ولایت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اگر وہ پھر اسے حاصل کرنا چاہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ غلط روش چھوڑ کر صحیح روش اختیار کر لے۔

سورہ الزمر میں ہے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم انہیں اس لئے اپنا اولیاء بناتے ہیں کہ ان کے ذریعے ہمیں خدا کا تقرب حاصل ہو جائے۔ یہ عقیدہ باطل اور کفر کا ہے۔ خدا کا تقرب (احکامِ الٰہیہ کی اطاعت سے) براہِ راست حاصل ہو سکتا ہے اس کے لئے کسی درمیانی واسطہ کی ضرورت نہیں (۳/۳۹)۔

کھاتہ داران/خریدار حضرات

﴿خصوصی توجہ فرمائیں﴾

جن کھاتہ داران/خریداران نے اپنے اپنے کھاتوں سے مجلّہ طلوع اسلام جاری کروایا ہوا ہے ان سے گذارش ہے کہ وہ اپنی فہرست خریداران 15 جنوری 2009ء تک ادارہ طلوع اسلام کو بھجوادیں اور جن کو میگزین سال 2009ء کے لئے جاری رکھنا مقصود ہو یا جن کے میگزین بند کرنے ہوں، مکمل فہرست، ایڈریس، ٹیلیفون نمبر کے ساتھ بھجوادیں تا کہ بروقت عمل درآمد ہو سکے۔ شمارہ کی اشاعت میں اضافہ آپ کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اگر بیرون ملک یا اندرون ملک کی بزمیں مزید تعاون کریں تو اس تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوسکتا ہے اور پاکستان کے تمام تعلیمی اداروں میں میگزین بھیجنا ممکن ہو سکے گا۔ امید ہے کہ بزمیں اس مسئلہ پر تعاون کریں گی۔

کھاتہ داران جن کے ذمے طلوع اسلام کی رقم بقایا ہے ان کو ان کے کھاتوں کی تفصیل بھجوائی جارہی ہے تاہم اگر کسی وجہ سے یہ ان تک نہ بھی پہنچے تو بھی تمام کھاتہ داران سے التماس ہے کہ وہ اپنے کھاتوں میں معقول رقم جمع کرانے کا اہتمام کریں تا کہ واجب الادا رقوم کی وجہ سے ادارہ مالی پریشانیوں کا شکار نہ ہو۔

جو قاری حضرات ادارہ کو رقوم بھیجتے ہیں وہ بذریعہ منی آرڈر یا بذریعہ بینک ڈرافٹ ارسال کریں۔ تا کہ بروقت رقم کھاتہ میں ٹرانسفر ہو سکے۔ اگر لاہور سے باہر کا چیک بھیجنا ہو تو 125+225 روپے مساوی 350 روپے ارسال کریں۔ باہر کا چیک اسی صورت میں جمع کرایا جائے گا اگر اس میں 125 روپے بینک چارجز اضافی شامل ہوں گے۔ بصورت دیگر چیک واپس ارسال کر دیا جائے گا۔

بینک اکاؤنٹ کے لئے ضروری وضاحت

1- بینک کا اکاؤنٹ نمبر۔ 3082-7

2- بینک کا نام۔ نیشنل بینک آف پاکستان، مین مارکیٹ برانچ گلبرگ، لاہور (پاکستان)۔

3- نام اکاؤنٹ۔ ادارہ طلوع اسلام

شکریہ

چیئرمین ادارہ طلوع اسلام لاہور

پاکستان میں

غلام احمد پرویز علیہ الرحمتہ

کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل منظور شدہ مقامات پر ہوتا ہے

نوٹ: نمائندگان محترم سے التماس ہے کہ ایڈریس یا اوقاتِ درس میں تبدیلی کی صورت میں ادارہ کو فی الفور مطلع فرمائیں۔

شہر	مقام	دن	وقت
ایبٹ آباد	234-KL کیہال۔ رابطہ۔ گل بہار صاحبہ	بروز جمعہ	10AM
ایبٹ آباد	234-KL کیہال۔ رابطہ: شیخ صلاح الدین، فون۔ 0992-334699، موبائل 0321-9813250	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ
اسلام آباد	برمکان ڈاکٹر انعام الحق، مکان نمبر 302، سٹریٹ نمبر 57، سیکٹر F-11/4 رابطہ: ڈاکٹر انعام الحق، فون نمبر 051-2107321	بروز اتوار	11AM
اوکاڑہ	برمکان احمد علی، ابوبکر بلاک، گلی 4، نزد مبارک مسجد، شادمان کالونی، جناح روڈ، رابطہ میاں احمد علی: 0442-527325	بروز جمعہ	3PM
بچ کسی	برمطب حکیم احمد دین۔ رابطہ فون نمبر:	بروز جمعہ	3PM
جہلم	جنجوعہ ٹاؤن، پوسٹ آفس فوجی ملز، نزد بیکن ہاؤس سکول۔ رابطہ فون نمبر:	ہر ماہ پہلی اور آخری اتوار	4PM
چوٹی زیریں	بردوکان لغاری برادرز، زرعی سروس، ڈیرہ غازی خان۔ رابطہ: ارشاد احمد لغاری۔ فون نمبر: 064-2466181	ہر ماہ پہلا اتوار	12 بجے دن
چنیوٹ	W-11/9، گوجر چوک (گنبد والی کوٹھی) سیٹلائیٹ ٹاؤن۔ رابطہ: آفتاب عروج، فون: 047-6331440-6334433۔	بروز جمعہ	بعد نماز جمعہ
حیدرآباد (قاسم آباد)	محترم ایاز حسین انصاری، B-12، حیدرآباد ٹاؤن، فیز نمبر 2، قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر آخری بس سٹاپ۔ رابطہ فون: 022-654906	بروز جمعہ	بعد نماز عصر
راولپنڈی	فرسٹ فلور، کمرہ نمبر 114، فیضان پلازہ۔ کمیٹی چوک۔ رابطہ ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ، موبائل: 0332-5479377	بروز جمعہ بروز اتوار	4PM 4PM
راولپنڈی	برمکان امجد محمود، مکان نمبر 14/A، گلی نمبر 4، راہِ طلوع اسلام، جنجوعہ ٹاؤن، اڈیالہ روڈ، نزد جراہی سٹاپ، راولپنڈی۔ رابطہ: رہائش: 051-5573299، موبائل: 0322-5081985	بروز اتوار	10AM
خان پور	بمقام مکان حبیب الرحمان، محلہ نظام آباد وارڈ نمبر 9 خان پور، ضلع رحیم یار خان رابطہ: نمائندہ حبیب الرحمٰن۔ فون نمبر گھر: 068-5575696، دفتر: 068-5577839	بروز جمعہ	3PM

سیالکوٹ	معرفت کمپیوٹرسٹی، سٹی ہاؤس، سٹی سٹریٹ، شہاب پورہ روڈ، رابطہ: محمد حنیف، 03007158446۔ محمد طاہر بٹ، 0300-8611410۔ محمد آصف مغل 0333-8616286۔ سٹی ہاؤس 052-3256700	ہر دوسرے اتوار	5PM
سرگودھا	B-4، گلی نمبر 7، بلاک 21، نزد کی مسجد چاندنی چوک، رابطہ۔ ملک محمد اقبال۔ فون: 048-711233	بروز منگل	7PM
فیصل آباد	رحمان نور سینٹر، فرسٹ فلور، مین ڈگلس پورہ بازار، رابطہ: محمد عقیل حیدر، موبائل: 0313-7645065	بروز جمعہ	4PM
فتح پور، سوات	فتح پور، سوات، رابطہ: خورشید انور، فون: 840055	بروز اتوار	3PM
کراچی	105 سی بریز پلازہ، شاہراہ فیصل۔ رابطہ شفیق خالد، فون نمبر: 0300-2487545	بروز اتوار	10AM
کراچی	A-446 کوہِ نور سنٹر، عبداللہ ہارون روڈ، رابطہ محمد اقبال۔ فون: 021-5892083	بروز اتوار	10AM
کراچی	ڈبل اسٹوری نمبر 16، گلشن مارکیٹ، کورنگی نمبر 5۔ رابطہ: محمد سرور۔ فون نمبرز: 021-5031379-5046409، موبائل: 0321-2272149	بروز اتوار	2PM
کراچی	نالج اینڈ وزڈم سنٹر، ڈی۔2، گراؤنڈ فلور، ڈیفنس ویو، نزد اقراء یونیورسٹی۔ رابطہ: آصف جلیل فون نمبر: 021-5801701، موبائل: 0333-2121992، محمود الحسن۔ فون: 021-5407331	بروز اتوار	11AM
کوئٹہ	صابر ہومیو فارمیسی توغی روڈ۔ رابطہ فون: 081-825736	بروز اتوار	4PM
گوجرانوالہ	شوکت نرسری، گل روڈ، سول لائنز۔ رابطہ: موبائل: 0345-6507011	بروز جمعہ	بعد نماز عصر
لاہور	B-25، گلبرگ 2، (نزد مین مارکیٹ، مسجد روڈ)۔ رابطہ فون نمبر: 042-5714546	بروز اتوار	9:30AM
لاڑکانہ	برمکان اللہ بخش شیخ نزد قاسمیہ محلہ جاڑل شاہ، رابطہ فون: 074-42714	بروز جمعہ	بعد نماز مغرب
ملتان	شاہ سنز پاکستان (پرائیویٹ) لمیٹڈ، وہاڑی روڈ، (بس سٹینڈ چوک سے تقریباً اڑھائی کلومیٹر وہاڑی کی طرف) ملتان۔ رابطہ فون نمبر: 061-6538572، موبائل: 0300-7353221	بروز جمعہ	3:30PM
منڈی۔۔ بہاؤالدین	رابطہ: خان محمد، (وڈیو کیسٹ) برمکان ماسٹر خان محمد گلی نمبر 1، محلہ صوفی پورہ۔ فون نمبر: 0456-502878	بروز جمعہ	10 AM
نواں کلی، صوابی	رابطہ بابو اسرار اللہ خان، معرفت ہومیو ڈاکٹر ایم۔ فاروق، محلہ خدر خیل۔ فون نمبر:	بروز اتوار	10 AM
صوابی	بمقام چار باغ، (حجرہ ریاض الامین صاحب)، (رابطہ: انچارج یونیورسٹی سٹورز، مردان روڈ، صوابی) فون نمبرز: 310262, 250102, 250092(0938)	بروز اتوار	3 P.M

غلام احمد پرویز علیہ الرحمۃ کی جملہ تصانیف اور ماہنامہ طلوع اسلام کا تازہ شمارہ بھی انہی جگہوں پر دستیاب ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد صدیق بن اللہ دِتہ

اپنی کم حاجات کرنا چاہئے

لا شریک اللہ واحد لا شریک
حکم حق کی بات کرنا چاہئے!
خواہشاتِ نفس کے اس جال میں
اپنی کم حاجات کرنا چاہئے
آخرت کے دن ہو عملوں کا حساب
خیر کی بہتات کرنا چاہئے
حکم کیوں شیطان کا کر لیں قبول
محکم اپنی ذات کرنا چاہئے
گر ہے لانا غافلوں کو ہوش میں
قرأتِ آیات کرنا چاہئے
خواہشِ فردوس دل میں ہے اگر
مال سے خیرات کرنا چاہئے
لانے کو دنیا میں قرآنی نظام
جستجو دن رات کرنا چاہئے
نور قرآں سے، کلام پاک سے
نور کی برسات کرنا چاہئے
ابن آدم واجب التکریم ہیں
پیار سے ہر بات کرنا چاہئے!

☆☆☆

MOSQUES… … WHY BOTHER?

By

Asela Ali (London)

A place of congregation is actually wherever we remember Allah. It is not a building but a voice in our hearts and minds. The mosque was merely an extension of our faith; a method whereby our weak and inconsistent minds sought physically, in the company of others, to glorify Allah – the One Whose glorification lies in our submission to Him.

The interests of the community and the perpetuation of the Faith are a greater priority than property. Muslims today fail to realise the importance of the Ummah. Considerable time and effort are spent making divisions within the Faith, assuming superiority of one over the other and fighting among themselves. It is little wonder, therefore, that non-Muslims view us with a perplexity and generates unknown fear in their minds against us.

All the former great empires of the world were based on the principle of 'divide and rule'. This year, the world remembers seventy-fifth anniversary of the coming to power of Hitler and how it took a considerable effort to rid Europe of his evil. Recent events in Eastern Europe borne witness to the fact that people who work together win together, whereas those who do not face calamity.

The future of faith is at risk and we sit on our complacent posteriors thinking, "We have bought/built a mosque, therefore, we have accomplished something." What was the point? Worship is a personal thing.

The mosque may be a place of 'worship' but surely, 'worship' *(ibadah*) is *everything* we do in Islam as it is for the glorification of Allah. The mosque therefore, is not for prayer alone but to be used as a community centre where everything that everyone does is to put into practice the teachings of the Qur'an. Many view the mosque as the Christians view the church: "We go once a week (Friday) and that makes us good Muslims." If they really care about the Faith and its future, they would address their efforts to the community also.

Our internal squabbling will lose us these precious mosques. Our divisions will tear apart the principles for which the buildings stand. If the community is neglected, it will drift apart and every mosque in this country may become redundant because no one will feel that there is a reason any longer for its existence. The present expansion is to accommodate the recent immigrant population, not the next generation. Already, some mosques are seen as bastions for old men with long beards and out-dated ideas.

People prayed at home before they had a building for congregational prayer. Parents taught their children religious studies at home. Gatherings to read Qur'an or celebrate festivals were held at people's homes. The atmosphere was that of familiarity. If anyone was missing, people noticed and took it upon themselves to find out if anything was amiss. People felt needed and cared for – part of a community. With all of this, who needs a mosque? Paradoxically, the same people!

One example of a *working Muslim community* that I personally came across is based in North London. Guyanese immigrants from South America (including my parents) established United Islamic Association (UK) and bought a building which used as a mosque and a community centre.

Projects for and by the community emphasise the necessity of the building and keep it in constant and varied use. Children should be a priority so that we know that the youngest in our community were receiving correct guidance in those crucial early years. Family matters, be they medical, legal or financial, should be resolved within the larger family of the Ummah rather than resorting to expensive lengthy court proceedings. Religious education should be linked to the secular in order that when we fulfil the tenet of 'seeking knowledge from the cradle to the grave', it is within the framework of understanding that *all* knowledge comes from Allah.

Healthy minds go with healthy bodies and physical recreation should be taken seriously. Allah in His wisdom did not formulate the prayer only as means of obeisance; it keeps one fit too mentally, physically and intellectually. Above all, children should see the mosque as a focal point – the future lies in their hands. We have to educate, groom them to be the future leaders of the Ummah. If they do not *feel* it worthy of continuance, then, perhaps, it is not.

The first large Muslim communities, thirty years ago, were able to purchase churches in order to convert them into mosques because the buildings were 'surplus to requirements'. Hindus and Sikhs also took advantage of the fact that the local Christians communities did not feel that they needed to attend. Secularism was their creed. The only churches that survived were those that were part of the life of the community. The Qur'an states (5:47-51) that we must learn from the mistakes of those who were given the scriptures before us. Islam is a way of life and mosque should reflect that whole of life- not just prayer and religious education. If they do not, then someone may be purchasing our buildings- empty mosques – for use as car park developments, temples or just houses of ill-repute. Wake up before it is too late

==========